دعائے ندبہ

فریادِ منتظرین

السید علی شرف الدین الموسوی علی آبادی

دعا و زیارات

Najafi Cassette Library * Bombay Sec. Bait-ul-Sajjad Soldier Bazar, Karachi, Ph: 7222924

دعائے ندبہ

فریادِ منتظرین

السیّد علی شرف الدین الموسوی علی آبادی

یکے از مطبوعات

دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

۲-بے-۵/۴ — ناظم آباد — نمبر ۲ — کراچی

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب ---------- دعائے ندبہ' فریادِ منتظرین
تالیف ---------- سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی
ناشر ---------- دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
طبع اوّل ---------- شعبان ۱۴۱۵ھ - جنوری ۱۹۹۵ء

فہرست

- مقدمہ ۷
- ابتدائیہ ۱۳
- اسنادِ دعائے ندبہ ۲۰
- دعائے ندبہ کے مضامین ۲۲
- شکرِ نعمت ۲۲
- فلسفۂ بعثتِ انبیاء ۲۳
- بعدِ رسول سلسلۂ ہدایت ۲۳
- اہلِ بیتؑ وصیِ رسول ہیں ۲۴
- اہلِ بیتؑ کے ساتھ اُمّت کا سلوک ۲۴
- خدا کی مشیت کا غلبہ بندوں کے ارادے پر ۲۵
- آثارِ غیبتِ حجّتِ خدا ۲۶
- اجتماعی جدوجہد ۲۸
- دعاؤں کی اقسام ۲۹
- مضطرب شخص کی دعا ۲۹

دنیا طلب شخص کی دعا ۳۰

عاجز اور ضعیف کی دعا ۳۱

خائف کی دعا ۳۱

تشنۂ معرفت کی دعا ۳۲

مومنِ اجتماعی کی دعا ۳۳

عرفاء و عاشقانِ رب کی دعا ۳۴

مامُوم کی دعا ۳۵

دعا خواہانِ عدالت و حکومتِ حق ۳۵

وضاحت ۳۷

دعاء کی افادیت اس کی استجابت میں ہے ۴۱

دعائے ندبہ کی افادیت ۴۳

اقسامِ انتظار ۴۵

منفی انتظار ۴۶

انتظارِ عاطفی ۴۶

متجسین کا انتظار ۴۶

انتظارِ شخصِ امام ۴۹

انتظارِ مجاہدین ۵۷

انقلابی انتظار ۶۰

پہلی قسم۔ بے شعور انتظار ۶۱

دوسری قسم۔ جامد انتظار ۶۳

تیسری قسم۔انتظارِ حکومتِ امام ـــــ ۶۳
شناختِ امامؑ ـــــ ۶۶
لوازمِ شناخت ـــــ ۶۸
تبصرہ ـــــ ۷۰
شناخت کا دوسرا پہلو (شریعت کی شناخت) ـــــ ۷۲
امام کی شناخت امام ہی کے توسط سے ممکن ہے ـــــ ۷۳
امامِ غائب کی شناخت امامِ حاضر سے ـــــ ۷۳
حق بین نگاہیں ـــــ ۷۶
مصادیقِ حق ـــــ ۷۸
(۱) خداوندِ متعال حق ہے ـــــ ۷۸
(۲) انبیاء الٰہی برحق ہیں ـــــ ۷۹
(۳) قرآنِ کریم حق ہے ـــــ ۷۹
(۴) معصومینؑ کی سنتِ متواترہ حق ہے ـــــ ۸۰
(۵) عقلِ سلیم حق ہے ـــــ ۸۰

قَالَ الْمَهْدِیْ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف)

فَیَعْمَلْ کُلُّ امْرِیٍٔ مِنْکُمْ مَا یُقَرِّبُ بِہٖ مِنْ مَحَبَّتِنَا

وَلْیَتَجَنَّبْ مَا یُدْنِیْہِ مِنْ کَرَاھِیَتِنَا وَسَخَطِنَا۔

امام مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) نے فرمایا۔

"تم میں سے ہر ایک کو وہ کام کرنا چاہئے جو تمہیں ہماری محبت سے قریب تر کرے، اور ہر اس چیز سے گریز کرنا چاہئے جو ہماری ناراضگی اور بے زاری کا موجب ہو۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حسبِ آیاتِ قرآن تمام بنی نوع انسان ایک ہی اُمّت تھے۔

"کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً"

"سارے انسان ایک ہی اُمّت تھے۔" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۱۳)

"وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً"

"سارے انسان فطرتاً ایک اُمّت تھے۔" (سورہ یونس ۱۰۔ آیت ۱۹)

لیکن انسانوں کے مابین قوم و قبیلہ دین و آئین کی صورت میں نظر آنے والا اختلاف رسالتِ الٰہی کو قبول کرلینے یا رد کردینے اور انسانوں کی خود انسانوں کے بنائے ہوئے مختلف ادیان و مکاتب کی متابعت کی بنا پر ہے۔

خداوندِ عالم تمام انسانوں کو ایک ہی فطرت "اسلام" پر خلق فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلامؐ کا روئے سخن کسی خاص قوم کی طرف "یا قوم" کی پکار سے نہ تھا بلکہ آپؐ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے "یاایھا الناس" کا کلمہ استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا تمام انسان آنحضرتؐ کے مخاطب تھے، اور بانیٔ اسلامؐ کی رسالت عالمگیر اور جہانی ہے، کسی خاص قوم، کسی خاص خطۂ ارض اور کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں۔

آنحضرتؐ کو رحمت للعالمین قرار دیا گیا ہے۔ لیکن تاہنوز آپؐ کی رحمت کا سایہ پورے عالمِ بشریت تک نہیں پھیلا ہے۔ باعبارتِ دیگر آپ کے رحمتِ عالم ہونے کا جلی مصداق وہ شریعت اور نظامِ زندگی ہے جو آپؐ لے کر مبعوث ہوئے، جسے اسلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور جو اب تک پوری انسانیت تک نہیں پہنچا، پورے عالم کا مذہب نہیں ہوا بلکہ کرۂ ارض کے اکثر نقاط اب تک کم و بیش جاہلیت میں مبتلا ہیں۔

پیغمبرِ اسلامؐ جو دستورِ حیات قرآنِ کریم کی شکل میں لئے مبعوث ہوئے، وہ بھی عالمین کے لئے ہے۔

"تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرَا"

"بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ سارے عالمین کے لئے عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا بن جائے۔" (سورہ فرقان ۲۵۔ آیت ۱)

نیز دینِ اسلام کو بھی عالمین کے دین کے بطور متعارف کرایا گیا ہے۔

"ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ"

"وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے، چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔" (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۳۳)

"ھُوَ وَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا"

"وہی وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیانِ عالم پر غالب بنائے اور گواہی کے لئے بس خدا ہی کافی ہے۔" (سورہ فتح ۴۸۔ آیت ۲۸)

نیز آیاتِ قرآن یہ پیش گوئی بھی کرتی ہیں کہ ایک روز بالآخر زمین پر بندگانِ صالح کی حکومت قائم ہوگی، مومنین و موحدین ہی زمین کے وارث قرار پائیں گے۔

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ"

"اور ہم نے ذکر (تورات) کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔"

(سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۱۰۵)

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ"

"اللہ نے تم میں سے صاحبانِ ایمان و عملِ صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں روئے زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے۔" (سورہ نور ۲۴۔ آیت ۵۵)

نیز آیاتِ قرآن ہر زمانہ میں ایک رہبر کو ضروری قرار دیتی ہیں۔

"وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"

"اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی و رہبر ہے۔"

(سورہ رعد ۱۳۔ آیت ۷)

"وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ"

"اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔" (سورہ فاطر ۳۵۔ آیت ۲۴)

عقل و فطرت بھی یہی تقاضا کرتے ہیں۔ لہٰذا انسانی سماج کبھی اور کسی زمانے میں رہبر سے بے نیاز نہیں رہ سکا۔ پھر یہ کہ کوئی نظام بغیر رہبر و رہنما کے خود بخود روبہ کار نہیں آسکتا، نافذ نہیں ہو سکتا اور شریعت کے ترجمان ایک رہبر کی ضرورت مسلّمہ ہے۔

دورِ حاضر میں عالمی سطح پر اٹھنے والے فتنہ و فساد کی موجوں نے بشریت کو وحشت، اضطراب، یاس و ناامیدی میں مبتلا کردیا ہے۔ بشریت کے خود ساختہ سماجی نظام اور مکاتب، انسانیت کو خیر و سعادت کی منزل تک پہنچانے کے سلسلہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے گھٹنے ٹیک رہے ہیں۔ دنیا میں ایک ایسے مصلح کی ضرورت شدّت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے جو بشریت کو خیر و سعادت کی راہ دکھائے۔ لہٰذا کوئی مسیح کا منتظر ہے تو کوئی مہدیؑ موعود کا، کوئی اس بات کا معتقد ہے کہ مہدی پیدا ہو کر ظاہر ہوں گے اور ہم (وابستگانِ اہلِ بیتؑ) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مہدی پیدا ہو چکے ہیں، وہ ہمارے گیارھویں امام امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ پردۂ غیب میں تشریف فرما ہیں۔ ہم ان کے منتظر ہیں، وہ ہمارے منتظر، ہم انہیں عالمی امن کے لئے دعوت دے رہے ہیں، وہ ہم سے اپنے ظہور کے لئے حالات سازگار

کرنے کی فرمائش کر رہے ہیں۔ ہم ان کے منتظر ہیں' وہ جانثار مجاہدوں کے انتظار میں ہیں۔'

لیکن ہم سے کیسا انتظار چاہا گیا ہے؟ محض دعائیہ انتظار نہیں' ساکت و جامد انتظار نہیں' محض عاطفی انتظار نہیں اور صرف ایک فرد کی آمد کا انتظار نہیں۔

امامؑ ایک ہمہ گیر عالمی انقلاب کے نقیب ہیں اور یہ انقلاب ہر شعبۂ حیات میں اصحابِ امام کی قابلِ ذکر تعداد کی موجودگی کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا ایک ایسا انتظار مطلوب ہے جو پُر تحرک ہو' جو امامؑ کے ظہور کے لئے حالات سازگار کرے' ان کے منتظرین میں اضافہ کرے۔

خوش آئندہ بات ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے ملک کے طول و عرض میں مومنین دعائے ندبہ کی اجتماعی تلاوت کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ رسالہ دراصل ان اجتماعات میں شریک دعائے ندبہ کے قاریوں اور مومنین کو اس دعا کی سند و افادیت اور مضامین سے متعارف کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی جانب متوجہ کرنے کے سلسلہ کی ایک کوشش ہے کہ دعا کے یہ اجتماعات امامِ زمانہ (عج) سے ارتباط برقرار و قائم رکھنے اور آپ سے عقیدت و محبت کے اظہار کی آخری کوشش نہیں ہونی چاہئے۔ اور محض انہی پر اکتفا کر کے خود کو اس سلسلہ کی دوسری ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ یہ دعا امامِ زمانہ (عج) کی جانب ہماری توجہ اور آنحضرتؑ ہی کو بشریت کا نجات دہندہ سمجھنے کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مسلسل تلاوت ہم میں آپؑ کے دیدار کا جو شوق بڑھاتی ہے' آپ کے وصل کی جو تڑپ پیدا کرتی ہے اس کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں آپ کے ظہور کے لئے

حالات سازگار کرنے کے واسطے عاشقانِ امامؑ کا ایک ایسا گروہ تشکیل دینا چاہئے جو ایک صالح نظام کے عالمی نفاذ کے لئے جدوجہد کرے، جو عالمی مصلح کے ظہور میں حائل رکاوٹوں کو رفع کرے۔

خداوندِ عالم اس عمل میں ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور اپنے ولی کے طفیل ہمیں بشریت کو فتنہ و فساد کے گرداب سے نکالنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابتدائیہ

ابھی کچھ ہی برس قبل کی بات ہے کہ چند مومنین نے دعائے ندبہ کی اجتماعی تلاوت کا آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں ہر صبح جمعہ یہ مومنین کسی نہ کسی پہلے سے تعیّن شدہ مقام پر جمع ہو کر اس دعا کی تلاوت کرتے اور آہوں اور سسکیوں کے درمیان اپنے بچھڑے ہوئے رہبر کے وصال کی دعا کرتے ہیں۔ بفضلِ خداوندِ متعال آج دعائے ندبہ کا یہ سلسلہ ملک کے گوشہ و کنار میں شروع ہو چکا ہے اور امامِ زمانہ حضرت حجت ابن الحسن العسکریؑ کے فراق میں تڑپنے والے مضطر قلوب ہر صبح جمعہ اس دعا کی اجتماعی و انفرادی تلاوت کرتے ہیں۔

اس دوران بعض احباب نے بارہا اس دعا کے متعلق متعدد سوالات کئے۔ جن کا مندرجہ ذیل دو سوالوں کی صورت میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱ - اس دعا کی سند کیا ہے؟ اور یہ کس امام سے منسوب ہے؟

۲ - اس دعا کی افادیت کیا ہے؟

سب سے پہلے تو ہم ان مومنین کو سراہتے ہیں جنہوں نے یہ سوالات کئے۔ یقین جانئے ہمیں سوال سن کر بہت خوشی ہوتی ہے، ہمارے نزدیک دین شناسی کے لئے سوال ایک مستحسن اور لازمی امر ہے۔ ہم آئندہ بھی سوالات کا

استقبال کریں گے۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کے جواب سے قبل ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ دعا کے مفہوم کو واضح کردیں تاکہ کسی دعا کے مستند اور امام سے منسوب ہونے کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوسکے۔

"دعا" کے لغوی معنی پکارنے یا بلانے کے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ"

"اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔"

نیز اسی آیت میں دعا نہ کرنے والوں کو جہنم سے دھمکایا گیا ہے۔

(سورہ غافر ۴۰۔ آیت ۶۰)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ

"قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ"

"اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری پرواہ بھی نہ کرتا۔" (سورہ فرقان ۲۵۔ آیت ۷۷)

آیات و روایات کی صراحت کے مطابق "دعا" تمام عبادات کا مغز ہے، تمام عبادتوں کی روح ہے۔ دعا نہ کرنے والے کو خداوندِ عالم نے مستکبر و متکبر کہا ہے۔

ہر موجود اپنے وجود کے لئے واجب الوجود کا محتاج ہے لہٰذا ہر موجود کی بقاو دوام ذات پاک اللہ رب العزت سے وابستگی میں مضمر ہے۔ اس طرح ایک نیاز

مند مخلوق کے اپنے بے نیاز خالق سے ارتباط کا نام "دعا" ہے۔

بعض عبادات کے اوقات و زمان مخصوص ہیں۔ مثلاً نمازِ پنج گانہ' ماہِ رمضان کے روزے اور حج شریعت نے ان عبادات کو مخصوص وقت اور زمانہ میں بجالانے کی تاکید و سفارش کی ہے۔ اسی طرح بعض عبادات کے لئے مقام بھی مخصوص ہے۔ ہر جگہ ہر مقام پر یہ عبادات انجام نہیں دی جاسکتیں۔ حج و عمرہ صرف مکہ' مدینہ میں انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ بعض مقامات پر نماز پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

بعض عبادات کے اذکار بھی مخصوص ہیں۔ نماز میں وہی اذکار قرائت کئے جاسکتے ہیں جو شریعت کی جانب سے مخصوص کئے گئے ہیں۔ ارکانِ حج کے لئے بھی مخصوص اذکار موجود ہیں۔

صرف "دعا" ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے نہ زمانہ کی قید ہے اور نہ مکان کی اور نہ ہی اس کے الفاظ مخصوص ہیں۔ بلکہ دعا مناسب الفاظ میں ہر جگہ' ہر مقام' ہر وقت اور ہر لحظ کی جاسکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ "دعا" کسی لحاظ سے حدود و قیود کی پابند نہیں نہ اس کے لئے زمان و مکان کی قید ہے' نہ ہی کلمات کی۔

"دعا" خدا اور بندے کے درمیان براہِ راست مستقل رابطے کا نام ہے۔ بندہ جہاں ہو' جس حال میں ہو' نقصان و کمی' شدائد و ابتلا میں ہو یا خوشی و فراخی کے عالم میں اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں رب العالمین کے سامنے عاجزی و انکساری اور فقر و نیاز مندی کا اظہار کرے۔

"دعا" اور خداوندِ عالم سے طلبِ حاجات کے بارے میں موجود آیات و

روایات میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صرف ائمہ سے منسوب یا مستند دعائیں پڑھی جائیں۔ البتہ یہ ایک عقلی بات ہے کہ دعا کے وہ الفاظ جو ایک عالمِ عارف کی زبان سے جاری ہوئے ہوں یا اس سے بھی بڑھ کر ایک معصومؑ کی زبان سے ادا ہوئے ہوں اور ان الفاظ کے دقائق، رموز اور اشارات سے آپ آشنا بھی ہوں تو ایسے الفاظ میں دعا مانگنا یقیناً بہتر اور مستحسن عمل ہے۔

کیونکہ یہ ایک مسلّمہ اَمر ہے کہ جو بندہ جس قدر پروردگارِ عالم کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہوگا۔ جتنی اسے معرفتِ رب ہوگی اتنا ہی اس کا اندازِ تخاطب بھی محترمانہ ہوگا۔

یقیناً علماء و عرفاء عام بندگانِ خدا سے بدرجہا بہتر انداز میں اپنی حاجات بارگاہِ الٰہی میں پیش کرسکتے ہیں اور ان سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اسلوب و پیرائے میں ائمہ معصومینؑ اپنی عرضِ نیاز درگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا شرط یہ ہے کہ آپ اس دعا کے دقائق، معنی اور اشارات سے واقف ہوں۔ اگر آپ ان دعاؤں کے معانی و مفہوم کو درک کرنے سے عاجز ہیں تو آپ پر لازم نہیں کہ آپ یہ دعائیں تلاوت کریں۔

دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض حضرات لوگوں کو لمبی لمبی دعائیں پڑھواتے ہیں۔ جب کہ بے چارہ پڑھنے والا اس دعا کے ایک بھی فقرہ کے مطلب و معنی سے واقف نہیں ہوتا اور بغیر جانے بوجھے بس اسے دہراتا جاتا ہے۔ بجائے اس کے اگر لوگوں کو چند ایسے جملے لکھ کر دے دیئے جائیں یا زبانی یاد کرادیئے جائیں جنہیں وہ سمجھ سکتے ہوں تو یہ کہیں بہتر ہے۔ ایسی لمبی لمبی دعائیں نہ لوگوں کے دل پر کوئی اثر کرتی ہیں، نہ ان کی سمجھ میں آتی ہیں، نہ ان کے دل میں اترتی

ہیں اور نہ ہی ان کی زبان سے ان کا تلفظ ادا ہو سکتا ہے۔

پس "دعا" عبادات کا مغز ہے۔ ہر جگہ' ہر وقت' کسی بھی حال میں کی جاسکتی ہے۔ نیز ضروری نہیں کہ صرف معصومینؑ یا علماء سے منقول دعائیں ہی پڑھی جائیں۔

❁

کتبِ ادعیہ میں جتنی بھی دعائیں اور زیارات وارد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر کے راوی اور اسناد مسلم الثبوت نہیں ہیں۔ بنابراں اکثر دعاؤں کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ ان کو بقصدِ رجاء پڑھیں۔ یعنی اس نیت اور امید کے ساتھ ان دعاؤں کی تلاوت کی جائے کہ خداوندِ عالم انہیں قبول کرے گا۔

یہاں تک کہ "زیارتِ جامعہ" جس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ تمام زیارتوں سے بہتر زیارت ہے' خود اس کے الفاظ گواہی دیتے ہیں کہ یہ معصوم کی زبان سے جاری ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود اس زیارت کی سند کے بارے میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ خوئی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس کے راوی ضعیف ہیں" (معجم الرجال)

جیساکہ ہم نے پہلے عرض کیا دعا کسی وقت بھی مانگی جاسکتی ہے۔ اس کا کوئی وقت معین نہیں لہٰذا یہ خیال کرنا کہ دعائے کمیل صرف شبِ جمعہ یا شبِ نیمۂ شعبان میں پڑھنی چاہئے' دعائے ابوحمزہ ثمالی صرف ماہِ رمضان کی شبوں میں پڑھنی چاہئے' دعائے عرفہ صرف عرفہ کے روز پڑھنی چاہئے' درست نہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تمام دعائیں خدا اور بندے کے درمیان راز و نیاز پر مشتمل ہیں۔ بارگاہِ خداوندی میں بندے کی حاجات ہیں۔ بندہ ہر حال میں

محتاج ہے اور پروردگارِ عالم ہر حال میں سمیع الدعا ہے۔ لہٰذا یہ دعائیں ہر وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔ ہاں ان کی تلاوت کا افضل وقت وہی ہے جس کا تذکرہ ہوا ہے۔

❁

دعاؤں اور زیارات میں ہمیشہ دعا کے مضامین کو مدِ نظر رکھنا چاہئے، کلمات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ادبی اعتبار سے ادائیگی کے طریقہ کار کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ آداب و قواعدِ زبان کے اعتبار سے بھی فقرات صحیح ہیں یا نہیں۔ اس کے مطالب و معنی بھی عقل و منطق، آیاتِ قرآنی اور اہلِ بیتؑ سے وارد روایات کے مطابق ہیں یا نہیں۔

اگر دعا معنی و مفہوم کے اعتبار سے درست ہو، آیات و روایات سے متصادم نہ ہو اور عقل و منطق کے معیارات پر پوری اترتی ہو تو اسے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

❁

ہمارے علماء کرام نے ادعیہ و زیارات کی اسناد کی تحقیقات کے سلسلہ میں عام طور پر تساہل سے کام لیا ہے اسی بناء پر ان کے نزدیک اکثر ادعیہ و زیارات کا ائمہ سے صادر ہونا مشکوک ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو انہیں "بقصدِ رجاء مطلوبیت" پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

علماء کرام نے جس طرح دعاؤں کی سند کی تحقیق کے بارے میں بے توجہی برتی ہے اسی طرح ان کے معنی و تفسیر کے سلسلہ میں بھی کوئی قابلِ قدر کام

نہیں ہوا۔ جس کی بنا پر ان میں پوشیدہ بیش بہا حقائق و معارف ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

آج بزرگ علماء اس میدان کی جانب متوجہ ہوئے ہیں اور دعاؤں کی اسناد پر تحقیق اور ان کے معنی و مفاہیم پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

دعاؤں و زیارات پر تحقیق کی تاکید اس مقصد کے لئے نہیں ہے کہ اگر ان کا ائمہ سے صادر ہونا ثابت ہو جائے تو ان کی تلاوت کی جائے، بصورت دیگر انہیں اٹھا کے ایک طرف رکھ دیا جائے۔ بلکہ تحقیق اس لئے کی جائے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قولِ معصوم ہے تو ان فقرات کو عقائد و احکام اور اخلاق و دیگر امور میں حجت قرار دیا جا سکے۔

اسناد دعائے ندبہ

☆ مرحوم شیخ عباس بن محمد بن رضا بن ابولقاسم الملقب بہ محدث قمی (متولد ۱۲۹۳ھ - متوفی ۱۳۹۵ھ) جو ساٹھ سے زائد کتبِ ادعیہ و زیارات کے مولف ہیں انہوں نے اس دعائے شریفہ کو اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مفاتیح الجنان" میں نقل کیا ہے۔

☆ مرحوم محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی الملقب علامہ مجلسی جنہیں علامہ نوری صاحبِ مستدرک الوسائل نے صدرِ علمائے متقدمین و متاخرین کہا ہے، نے اس دعائے شریفہ کو تحفۃ الزائرین میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور اسے مستند قرار دیا ہے۔

☆ سید رضی الدین علی ابن سعد الدین موسیٰ ابن جعفر بن طاؤس (متولد ۵۸۹ھ - متوفی ۶۶۴ھ) جن کے بارے میں علامہ حلیؒ نے فرمایا ہے کہ اپنے دور کے زاہد ترین علماء میں سے تھے اور فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں ان سے زیادہ عابد اور ورع و تقویٰ کا حامل کوئی نہیں۔ ان کے مقام و منزلت کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ بارہا امامِ زمانہؑ نے آپ کو شرفِ ملاقات بخشا۔ آیت اللہ العظمی آقائی بروجردی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ فقیہ اہلِ بیتؑ اور صاحبِ

شمائل و فضائل ہیں۔ انہوں نے اس دعا کو "کتاب اقبال" میں نقل کیا ہے۔

☆ ناصرِ ملّت والدین فقیہ ثقہ سعید ابنِ ہبت اللہ ابن الحسن المعروف بہ قطب الدین راوندی نے بھی دعائے شریفہ ندبہ کو مستند و موثق قرار دیا ہے۔

دعائے ندبہ کے مضامین

کسی بھی دعا کی اہمیت و افادیت کا اندازہ سند سے زیادہ اس کے مضامین سے کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس دعا میں بیان کئے گئے مضامین قرآنی آیات، ثابت شدہ روایات اور اصولِ عقائد سے کس قدر مطابق و ہم آہنگ ہیں۔ اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم یہاں دعائے ندبہ کے مضامین کا جائزہ لیں گے۔

شکرِ نعمت

اس دعا کا آغاز خداوندِ عالم کی نعماتِ عظمیٰ پر ادائیگیٔ شکر سے ہوتا ہے، اس کے بعد ان ہادیانِ برحق کا ذکر ہے جنہیں خداوندِ عالم نے یکے بعد دیگرے انسانوں کی ہدایت و رہبری کے لئے مبعوث فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ ان نعمتوں کا بھی تذکرہ ہے جو خداوندِ عالم نے ان ہادیانِ برحق کو عطا فرمائی ہیں۔ یعنی وحی، علم، معجزہ، کرامات وغیرہ۔ تاکہ یہ ہستیاں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ کا کام کریں۔

فلسفۂ بعثتِ انبیاء

بندگانِ خدا کے لئے ہدایت و رہبری کی ضرورت کا اس دعا میں ان الفاظ میں ذکر ہوا ہے کہ۔

"تاکہ تیرے بندوں پر حجت قائم رہے اور حق اپنی جگہ سے متزلزل نہ ہو سکے اور باطل اہلِ حق پر غلبہ نہ پا سکے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا رسول آیا ہوتا اور ہمارے لئے کوئی رہنمائی موجود ہوتی تو ہم اس ذلّت و نابودی سے پہلے تیری آیات پر ایمان لے آئے ہوتے۔" (دعائے ندبہ۔ ص ۱۹-۲۰)

بعدِ رسول سلسلۂ ہدایت

بالکل واضح بات ہے کہ خداوندِ عالم کی جانب سے ہدایت و رہبری کی ضرورت ہر دور، ہر زمانے کے لئے ہے لہٰذا جب تک بنی نوع انسان اس روئے زمین پر موجود ہے یہ ضرورت بھی اپنی جگہ باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ربِ ذوالجلال نے حضرت محمدؐ کو اپنی بارگاہ میں طلب کرنا چاہا تو اس سے قبل انہیں مامور کیا کہ اپنے بعد ہدایت و رہبری کے سلسلے کا واضح اور دو ٹوک انداز میں اعلان فرمائیں۔ تاکہ رہنمائی کا یہ تسلسل منقطع نہ ہو اور تا قیامِ قیامت جاری و ساری رہے۔ دعائے ندبہ کے الفاظ ہیں کہ۔

"پھر جب عہدِ رسالت اختتام کے قریب آپہنچا تو انہوں نے اپنے ولی علی ابنِ ابی طالبؑ کو اپنے بعد ہادی قرار دیا کیونکہ وہی خوفِ خدا سے ڈرانے والے تھے۔ جب کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے۔ پس

سردارانِ قوم اور معززینِ ملّت کے سامنے فرمایا۔ میں جس کا مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔۔۔۔۔" (دعائے ندبہ۔ ص ۲۴-۲۵)

اہلِ بیتؑ وصیٔ رسول ہیں

رسولِ مقبول ﷺ نے اپنے بعد حضرت علیؑ اور اہلِ بیتِ طاہرینؑ کی وصایت و رہبری کا صرف غدیرِ خم کے موقع پر ہی اعلان نہ فرمایا تھا بلکہ اپنی دعوت کے ابتدائی ایام ہی سے بارہا آپؐ نے امّت کو اس امر کی تاکید فرمائی تھی۔ مثلاً فرمایا :

"اے خدا جو علیؑ سے دوستی رکھے اسے تو بھی دوست رکھ، جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد فرما، جو علیؑ کو چھوڑ دے تو بھی اسے تَرک کردے۔"

"میں جس کا نبی ہوں علیؑ اس کا امیر ہے۔ میں اور علیؑ ایک ہی درخت سے ہیں۔۔۔۔۔ اور ایک ہی اصل سے ہیں جب کہ باقی انسان بکھرے ہوئے مختلف درختوں سے ہیں۔۔۔۔۔ اے علیؑ تم میرے لئے اسی طرح ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔" (دعائے ندبہ۔ ص ۲۵-۲۶)

اہلِ بیتؑ کے ساتھ امّت کا سلوک

علیؑ اور خانوادۂ علیؑ کے بارے میں رسولِ مقبول ﷺ کی تمام تاکیدات و فرمائشات کو امت نے بعدِ وفاتِ سرورِ کونینؐ قدموں تلے روند

ڈالا۔ اہلِ بیتؑ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ حد تو یہ ہے کہ ان سے رسولؐ کے کسی رشتہ ناطے ہی کے منکر ہوگئے اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑنے لگے۔

"اور یوں علیؑ کو ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنا پڑی اور جب ان کا (حضرت علیؑ) وقتِ قضا آپہنچا اور شقی ترین انسان نے پہلے شقی ترین خلق کی پیروی کرتے ہوئے انہیں قتل کردیا اور اس طرح فرمانِ رسولؐ خدا کو علیؑ اور اولادِ علیؑ کے سلسلہ میں کہ جو امت کے لئے ایک کے بعد ایک ہادی تھے روا نہ رکھا۔

پھر ایسا زمانہ آیا کہ امت نے ان کی دشمنی پر کمر باندھ لی، ان کے قطع رحم پر اتفاق کیا اور ان کی اولاد کو ان کے حق سے محروم کیا۔۔۔۔۔۔ پس ان میں سے کوئی مارا گیا۔ کوئی قید و بند میں گرفتار ہوا اور کوئی جلاوطن کردیا گیا۔" (دعائے ندبہ۔ ص ۳۱-۳۲)

خدا کی مشیت کا غلبہ بندوں کے ارادے پر

جب ظالم و فاسق انسانوں نے تہیہ کرلیا کہ زمین پر حجتِ الٰہی کو کسی طور قبول نہ کریں گے۔ زمامِ کار ہرگز ان کے ہاتھوں میں نہ آنے دیں گے، کسی حال میں ان کی رہنمائی قبول نہ کریں گے تو انہوں نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں انہیں گوشہ نشینی پر مجبور کیا۔ زندانوں میں محصور کیا، جلاوطن کیا، قتل کیا، ان کی ہتکِ حرمت کی اور روئے زمین کو ان کے لئے تنگ کردیا۔ انہیں کہیں جائے پناہ نہ ملنے دی، تو خداوندِ عالم نے اپنے ارادۂ تکوینی سے جس طرح موسیٰؑ کو فرعون سے، ابراہیمؑ کو نمرود سے، عیسیٰؑ کو بنی اسرائیل سے اور حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ کو مشرکینِ عرب سے محفوظ رکھا تھا اسی طرح اپنی آخری حجت حضرت امام مہدی (عج) کی حفاظت کے لئے انہیں دوست و دشمن سب کی نظروں سے پنہاں کردیا تاکہ آپؑ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں اور زمین پر خدا کی حجت باقی رہے، فیضِ الٰہی کا وسیلہ برقرار رہے اور سازگار حالات و مناسب وقت پر آپؑ کو ظاہر کرکے زمین کو عدل و انصاف سے پر کردے۔

آثارِ غیبتِ حجّتِ خدا

رہبرانِ الٰہی کو ان کے منصب سے دور رکھنا، معذول کردینا اور ان تک رسائی کی تمام راہوں کو مسدود کرنا خطرناک ترین نتائج کا سبب ہوتا ہے۔ امت کی باگ ڈور اور سماج کا انتظام و انصرام غیر صالح، غیر مستحق لوگوں کے ہاتھ میں آجانا ہی دراصل تمام خرابیوں کا نکتۂ آغاز ہے۔

حضرت علیؑ کے ایک صحابی صعصعہ بن سوہان نے حضرت علیؑ کی تدفین کے بعد آپؑ کی قبر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "آج کے دن ہمارے لئے خیر کے تمام دروازے بند ہوگئے اور شر کے دروازے کھل گئے ہیں۔"

کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اب امورِ سلطنت نااہلوں اور غیر مستحقوں کے ہاتھ آئے گا اور بدی و انحراف پھیل کر رہے گا۔ قرآن و سنّت بالائے طاق رکھ دی جائے گی، مسلمانوں پر قیصر و کسریٰ کے قوانین کی حکمرانی ہوگی اور رفتہ رفتہ حالات یہ رخ اختیار کرلیں گے کہ مسلمان ہر طرزِ زندگی کو قبول کریں گے سوائے اسلام کے، ہر قانون کی پیروی پر مستعد نظر آئیں گے سوائے قوانینِ الٰہی کے، ہر نظام کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے سوائے نظامِ قرآن کے۔

امامِ زمانہ (عج) کے فراق میں تڑپنے والا دل' اس کجروی' انحراف اور لادینیت کے سیلاب سے نجات کے لئے پکارتا ہے کہ۔

"کہاں ہے وہ ہستی جو ظلم و ستم کی جڑیں اکھاڑنے کے لئے تیار ہے؟ کہاں ہے وہ بزرگوار جو آکر کجیوں اور نقائص کی اصلاح کرے؟ کہاں ہے وہ شخصیت جس سے ظلم و ستم کے ازالہ کی امیدیں وابستہ ہیں؟ کہاں ہے وہ جو واجبات و سنّنِ الٰہی کی تجدید کے لئے ذخیرہ کیا گیا ہے؟ کہاں ہے وہ ہستی جس سے قرآن اور حدودِ قرآن کو از سرِ نو زندہ کرنے کی امیدیں وابستہ ہیں۔۔۔۔۔؟"

(دعائے ندبہ۔ ص ۳۵'۳۶)

نظام امامت کے خدوخال' اس کے فضائل و خصائص' اس کی خوبیوں اور افادیت سے آشنا مومنین بخوبی جانتے ہیں کہ اس وقت تک کسی بھی قسم کی اصلاح کے مکمل ہونے کا' اس کے ثمر بخش اور نتیجہ خیز ہونے کا امکان نہیں جب تک آقا و مولا امامِ زمانہ (عج) ظہور نہ فرمائیں۔

لہٰذا سب کی توجہ اور آرزو کا محور امامِ زمانہ (عج) کا ظہور ہونا چاہئے' سب مل کر بیک صدا امام زمانہ (عج) کو پکاریں' سب گریہ وزاری کے ساتھ امامِ زمانہ (عج) کے ظہور کی دعا کریں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ دعا محض لقلقۂ زبانی ہی نہ رہے' محض الفاظ کی صورت میں ادا ہو کر فضا میں تحلیل نہ ہو جائے بلکہ ہم اپنے پورے وجود کو اس راہ میں وقف کردیں۔ یہ الفاظ عمل کے سانچے میں ڈھل جائیں اور امامِ زمانہ (عج) کے ظہور میں حائل تمام رکاوٹوں کا قلع قمع کردیں۔

اجتماعی جدوجہد

صاحبانِ شعور جانتے ہیں کہ کسی تبدیلی کے لئے محض ایک دو افراد کی خواہش کافی نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر تحریک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح امامِ زمانہ (عج) کا ظہور اور آپؑ کا عالمی انقلاب چند عاشقانِ امامؑ کی گریہ وزاری، آپؑ کی قصیدہ خوانی اور آپؑ کے فضائل سن کر سر دُھننے سے وقوع پذیر نہ ہوگا۔ بلکہ امامِ زمانہ (عج) کی شناخت، آپؑ سے عشق، آپؑ کے مشن سے وابستگی اور آپؑ کے انقلاب کے لئے تن من دھن کی بازی لگادینے کا جذبہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے کہ دعائے ندبہ میں پڑھتے ہیں۔

"آیا کوئی ہے میری مدد کرنے والا؟ جو میرے ہم گریہ و نالہ ہوسکے تاکہ اس گریہ کو طولانی کرسکوں۔ آیا کوئی ہے تیری یاد میں آہ وزاری کرنے والا کہ جس کے ساتھ مل کر آہ وزاری کرسکوں۔ آیا کوئی ایسی چشمِ اشک بار ہے کہ میری آنکھوں کا ساتھ دے سکے۔"

(دعائے ندبہ۔ص۴۹)

دعائے ندبہ کے ان مضامین کے ہوتے ہوئے جن کی تائید آیات و روایات اور اصولِ و عقائد سے ہوتی ہے۔ اگر اس کی کوئی سند نہ بھی ہو تب بھی یہ مضامین بذاتِ خود اس کی صحت کی سند ہیں۔

دعاؤں کی اقسام

اس دنیاوی زندگی میں انسانوں کی تمنائیں اور خواہشات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں یہی مختلف آرزوئیں دعاؤں کی صورت میں بارگاہِ ربّ العزت میں پیش کی جاتی ہیں۔ ہمارا مقصد یہاں دعاؤں کی اقسام بیان کرنا نہیں بلکہ ہماری گفتگو دعا کرنے والوں کی صفات و خصوصیات کے بارے میں ہے لہٰذا ہم ذیل میں دعا کرنے والوں کی خواہشات و رجحانات کے ضمن میں دعاؤں کی اقسام بھی بیان کریں گے۔

○ مضطرب شخص کی دعا

ہر انسان ذہنی سکون کا متلاشی ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ تر سرگرمیاں خود کو اضطراب و ہیجان سے محفوظ رکھنے کی خاطر ہوتی ہیں۔ کبھی سکون و اطمینان اُسے مال و دولت کی فراوانی میں نظر آتا ہے، کبھی منصب و مقام کے حصول میں، کبھی کثرتِ احباب و اعزّہ میں، کبھی فضول و بے ہودہ لٹریچر میں، کبھی منشیات میں اور کبھی خودکشی اسے آسودہ کرتی ہے------ لیکن انبیاء، ائمہ اور ہادیانِ برحق فرماتے ہیں کہ حقیقی سکون صرف اور صرف معرفتِ خدا، حمد و ثنائے الٰہی

اور ربِ ذوالجلال سے لَو لگانے میں ہے۔

"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"

"آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یادِ خدا ہی سے حاصل ہوتا ہے۔"

(سورہ رعد ۱۳- آیت ۲۸)

لہٰذا مومن انسان آسودگیٔ خاطر کے واسطے ربّ العالمین سے مَحوِ دعا ہوتا ہے۔

○ دنیا طلب شخص کی دعا

ایسے لوگ گو کہ ایمان و عقیدہ کی رو سے خدا کو مالکِ کائنات سمجھتے ہیں، اور کائنات کی بست و کشاد اسی کے ہاتھ میں ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں زندگی کی سعادت اسی مادّی دنیا کے عیش و آرام اور دولت و ثروت کی فراوانی میں نظر آتی ہے۔ بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ان لوگوں کے عقیدہ کی بقا بھی مادی آسودگی سے وابستہ ہو جاتی ہے۔

ایسے لوگ ہر دم دولت و ثروت کی فراوانی اور مال و منال میں اضافہ کی دعا کرتے ہیں۔ عتباتِ عالیہ کی زیارات اور حج و عمرہ کے موقع پر بھی گڑگڑا، گڑگڑا کر مال و اولاد کی سلامتی اور افزونی کی دعا کرتے ہیں۔

سالِ گزشتہ حج بیت اللہ کی سعادت کے دوران مسجدِ نبویؐ میں ایک حاجی سے ملاقات ہوئی دورانِ گفتگو پتہ چلا کہ موصوف زراعت پیشہ ہیں۔ ہم نے سوال کیا کہ کتنی زمینیں ہے تو جواب دیا ابھی تو یہی کوئی چار پانچ ایکڑ ہے لیکن درگاہِ الٰہی میں مزید کی درخواست لے کر آیا ہوں-----

یقیناً اگر انسان محض دنیا کا طالب ہو تو اسی کا ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس نے یہ جواب نہیں دیا کہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے آیا ہوں' بلکہ مزید طلب کا اظہار کیا۔ ایسے لوگوں کی دعائیں مادّی خواہشات سے لبریز ہوتی ہیں' دولت و ثروت میں اضافہ کے لئے دامن پھیلاتے ہیں کبھی سجدہ شکر نہیں گزارتے' ہل من مزید ان کے وردِ زباں ہوتا ہے۔ یہ مال و منال کی نہ ختم ہونے والی طمع میں مقید ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ جو کچھ انہیں حاصل ہے وہ ان کے استحقاق سے زیادہ ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ خداوندِ عالم سے رزق و مال طلب کرنا مذموم و ممنوع ہے' بلکہ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ دعا کرنے والا خدا پر بھروسہ رکھتا ہے' اسی کو مالک و رازق سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کو کافر و ملحد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادّیت اس پر غلبہ پا چکی ہے۔

○ عاجز اور ضعیف کی دعا

یہ دنیائے مادی مسلسل تغیّر و تبدّل کے عالم میں ہے۔ ایسا شخص جو ان تغیّرات و تبدّلات کو دیکھ کر خوف و ہراس کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود میں آلام و مصائب سے مقابلہ کی سکت نہیں پاتا اور رب العالمین کے سوا کسی کو ان مشکلات سے نجات کا آسرا نہیں سمجھتا اس کی دعاؤں کا لب و لہجہ رفع بلا اور دفع مصائب کی تمنا لئے ہوئے ہوتا ہے۔

○ خائف کی دعا

معاشرتی زندگی کے تقاضے اور اعزّہ و اقرباء' دوست احباب کبھی کبھی ایسی

صورتِ حال پیدا کردیتے ہیں کہ مومن فرد کے لئے بھی فرائضِ دینی کی بجا آوری اور واجبات پر عمل مشکل ہوجاتا ہے اور اس کے لئے محرّمات سے پرہیز ناممکن بن جاتا ہے۔

ایسے لوگ ایک طرف دنیاوی تقاضے نبھانا چاہتے ہیں' انہیں بھی ایک ضرورت شمار کرتے ہیں۔ دوسری طرف روزِ قیامت مقصرین' نافرمان اور کوتاہ عمل بندوں کے لئے معین سزاؤں سے بھی خوفزدہ ہیں۔ یہ خوف انہیں دامن گیر ہوتا ہے کہ اگر ان گناہوں کے ساتھ وہ ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں جائیں گے تو اس کے قہر و غضب سے نہ بچ سکیں گے۔

لہٰذا یہ اس سزا و عقاب کے خوف اور روزِ آخرت شرمندگی سے بچنے کے لئے خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ عبادت و بندگی کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

○ تشنہ معرفت کی دعا

انسانی عقل ہمیشہ نئے نئے حقائق سے آشنائی چاہتی ہے۔ اسے جہالت عذاب محسوس ہوتی ہے۔ نئی نئی معلومات اس کی روح کو بالیدگی عطا کرتی ہیں۔ اس کی آرزو ہوتی ہے کہ نقص سے کمال کی جانب اس کا سفر جاری رہے۔ لہٰذا ایسا انسان صاحبانِ جاہ و حشم کی صحبت کی بجائے اربابِ علم و ہنر کی ہم نشینی پسند کرتا ہے۔ مجلسِ علم و معرفت اس کے لئے گوشۂ سکون کا درجہ رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ علم کی افزونی کا طلبگار رہتا ہے' اس کی دعا "ربِّ زدنی علما" ہوتی ہے۔ وہ پروردگار سے "اپنی ذات کی شناخت چاہتا ہے'

اس کے رسول کی' اور اس کی حجت کی شناخت کا طالب ہوتا ہے اور گڑگڑا کر خدا کے حضور دعا کرتا ہے کہ میرے معبود! اگر میرے سامنے سے یہ پردہ نہ ہٹے تو کہیں میں اپنے دین و آئین سے منحرف نہ ہو جاؤں۔"

"اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِی نَفْسَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی نَفْسَکَ لَمْ أَعْرِفْ رَسُولَکَ۔ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِی رَسُولَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی رَسُولَکَ لَمْ أَعْرِفْ حُجَّتَکَ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِی حُجَّتَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِی حُجَّتَکَ ضَلَلْتُ عَنْ دِینِی۔[۱]"

○ مومنِ اجتماعی کی دعا

وہ مومن جو اس کارزارِ حیات میں محض اپنے ہی بارے میں فکر مند نہیں ہوتا بلکہ اس کی فکر کبھی اپنے کنبے' اپنے اعزّہ و اقربا' اپنے مسلک و ملت' اپنے سماج اور حتیٰ پوری بنی نوع انسانیت کے لئے ہوتی ہے۔ دوسروں کی خوشی اسے اپنی خوشی محسوس ہوتی ہے اور دوسروں کے غم کو وہ اپنا غم سمجھتا ہے۔

ایسے لوگ اپنی دعا کا آغاز اپنی ذاتی طلب و آرزو سے نہیں کرتے بلکہ وہ پہلے دوسروں کے لئے دعا کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو سرے سے اپنے لئے دعا ہی نہیں کرتے اور بارگاہِ الٰہی میں فقط و فقط دوسروں کی فلاح و صلاح کے خواہاں ہوتے ہیں۔

---

[۱] یہ دعا امامِ زمانہؑ کے نائبِ اوّل عثمان بن سعید اور ان کے فرزند عمر ابنِ عثمان سے منقول ہے۔ اسے مفاتیح الجنان میں شیخ عباس قمی نے بھی نقل کیا ہے۔

اسماء زوجہ حضرت جعفرِ طیار اور امام حسن مجتبیٰؑ دونوں سے منقول ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا ربِّ ذوالجلال کے حضور کبھی اپنی ذات کے لئے دعا نہ فرماتی تھیں بلکہ ان کی دعائیں اپنے شیعوں اور دوستوں کے حق میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب امام حسنؑ نے سیدۂ نساء العالمین سے فرمایا کہ مادر جان! آپؑ کیوں اپنے لئے دعا نہیں کرتیں تو معصومہؑ نے فرمایا کہ "بیٹا! پہلے ہمسایہ بعد میں گھر۔" (نہج الحیات۔ ص ۱۴۹)

○ عرفاء اور عاشقانِ رب کی دعا

وہ ذوات جو معرفتِ رب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہیں۔ اس معرفت کے نتیجہ میں ان کی نگاہیں نہ تو دنیاوی مال و متاع پر ٹھہرتی ہیں اور نہ جاہ و حشم ہی انہیں بھاتا ہے۔ نہ دنیا کی چمک دمک ان کی نظروں کو خیرہ کرتی ہے اور نہ مشکلات و مصائب انہیں ملول و رنجیدہ خاطر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک رضاء رب سے بڑھ کر کوئی چیز باقیمت نہیں، بس وہ اسی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ان کے لبوں پر ہمیشہ یہی زمزمہ ہوتا ہے کہ خداوندا! ہمیں اپنی بندگی میں قبول فرما۔ ہمیں اپنی رضا عطا فرما، ہماری ساری عزت و شرف صرف اور صرف تیری رضا کے حصول میں مضمر ہے۔

ایسے انسان کی نظر میں دنیاوی مال و منال اور تعلقات وہ رکاوٹیں ہوتی ہیں جو اسے خداوندِ عالم کے قرب سے باز رکھے ہوئے ہیں، اس کی سیر الی اللہ میں مانع ہیں لہٰذا وہ ان مادّی بندھنوں سے آزادی کے لئے دعا کرتا ہے، اپنے نفس کے انحراف کی شکایت کرتا ہے۔ حُبِّ دنیا کے تسلط کی شکایت کرتا ہے۔ وہ کہتا

ہے کہ اے میرے معبود! مجھے ان مادّی آلودگیوں سے نجات دے' میرے قدموں میں پڑی ہوئی علائقِ دنیوی کی یہ زنجیریں کاٹ دے' مجھے ان سے بے نیاز فرما' مجھے اپنی طرف پرواز کی توفیق عطا فرما تاکہ میں سارے حجاب چاک کرکے تیرا نور دیکھ سکوں۔

وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! تیری عطا کردہ نعمتیں اتنی بے حساب ہیں کہ میں حقیر و فقیر ان کا حق ادا کرنے سے عاجز ہوں' میری یہ تقصیر معاف فرما۔

○ ماموم کی دعا

ایک ماموم کو اپنی بقا اپنے امام کی بقا اور حیات میں نظر آتی ہے۔ اس کی کوئی اور آرزو و تمنا نہیں ہوتی' اس کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنے آقا و مولا کے سائے میں زندگی کے دن پورے کرے اور اگر موقع نصیب ہو تو اس کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کردے۔ وہ ایسے دن کو عذاب سمجھتا ہے کہ جب وہ تو حیات ہو لیکن اس کا امام موجود نہ ہو اور وہ سب کو دیکھے لیکن اپنے امام کو دیکھنے پر قادر نہ ہو۔

○ دعا خوانانِ عدالت و حکومتِ حق

وہ ہستیاں جنہوں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی دنیاوی قید و بند سے آزاد رکھا ہے۔ جن کے لئے باعثِ فخر و شرف صرف بندگیٔ رب ہے۔ جو محض اس بات کی خواستگار ہیں کہ کائنات کا مقصدِ تخلیق مکمل ہو۔ جو فریضۂ خلافت الٰہی ادا کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے حکومتِ حق کے قیام کے لئے کوشاں ہیں۔ وہ دنیا میں رائج نظاموں میں کسی قسم کی اصلاح اور جزوی تبدیلی پر قانع نہیں ہوتے

بلکہ ان کا مطالبہ سراسر ایک نئے نظام کا نفاذ ہے' ان کی دعا قیامِ حکومتِ الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔

وہ بخوبی جانتے ہیں کہ رائج نظام میں خواہ کتنی ہی اصلاحات ہو جائیں وہ بشریت کو منزلِ سعادت پر پہنچانے کی قدرت سے عاجز رہے گا۔ انسانوں کو خواہ کتنی ہی مراعات اور سہولتیں نصیب ہوں لیکن اگر حکمراں نظام غیر الٰہی ہو تو یہ انسانیت کے کسی درد کی دوا نہیں۔ بلکہ اس کو بدبختی کے پاتال میں پھینکنے کا موجب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ بدترین حالات میں اور انتہائی مایوس کن ادوار میں جب کہ تبدیلیٔ نظام کی کوئی مبہم سی آس بھی نظر نہیں آرہی ہوتی اپنے اس مقصد کے حصول کی لگن لئے مشغولِ کار رہتے ہیں۔

سیرتِ معصومینؑ بھی اس امر پر روشن گواہ ہے کہ ان ہستیوں نے ایسے حالات میں بھی کہ جب ان پر کڑی پابندیاں عائد تھیں' اصحاب و اعوان نہ ہونے کے برابر تھے' اس مسئلہ کو نظر انداز نہ کیا اور مایوس ہو کر اسے طاقِ نسیاں کی زینت نہیں بنایا بلکہ حکومتِ الٰہی کے قیام کے لئے ہمہ تن مشغول رہے۔ جب گفتگو اور علمی مسائل کا بیان بھی ممنوع قرار دے دیا گیا تو ائمہ نے اپنی دعاؤں کے ذریعہ اس مسئلہ کو اجاگر کیا اور لوگوں کو اس جانب متوجہ کیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ دعا کرنے والے اپنے رجحانات' نیات اور طرزِ تفکر کے مطابق دعا کرتے ہیں۔ جو سکونِ قلبی کو سعادت و کامیابی سمجھتے ہیں ان کی دعائیں اس کی طلب کے لئے ہوتی ہیں۔ جن کی نظر میں مادّی لذتوں کا حصول اور انہیں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہونا اہم ہوتا ہے ان کی دعائیں بھی انہیں

کے حصول کے لئے ہوتی ہیں۔ جو درجاتِ معرفت طے کرنے کے متمنّی ہوتے ہیں اور حقائق و معارف کے تشنہ ہوتے ہیں وہ اس تشنگی سے سیرابی کی دعا مانگتے ہیں اور جو میدانِ علم و معرفت کے شہسوار ہوتے ہیں ان کی دعائیں وصالِ معبود کے لئے ہوتی ہیں' وہ تمام پردے چاک کرکے اس کا دیدار چاہتے ہیں۔ اور جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا خداوندِ عالم کے عطا کردہ نظامِ حیات (اسلام) کے نفاذ اور امور کی باگ ایک صالح قائد کے ہاتھوں میں ہونے پر موقوف ہے وہ حکومتِ اسلامی کے قیام اور رہبرِ موعود کے لئے دعاگو رہتے ہیں۔

وضاحت

جیساکہ ہم مذکورہ بالا گفتگو میں بھی بارہا یہ کہتے آئے ہیں کہ خداوندِ عالم سے اپنی جائز و مشروع حاجات کا حصول ممنوع و مذموم نہیں۔ یہاں ایک مرتبہ پھر اس بات کو دہرادیں کہ دعاکنندگان کی تقسیم بندی سے قطعاً" ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو غلط ٹھہرائیں بلکہ ہمارا مقصد دعاکنندگان کے منازل و مراتب کو بیان کرنا ہے۔ خود ائمہ معصومینؑ کی جانب سے وارد دعاؤں میں مختلف حاجات رب العالمین کے حضور پیش کی گئی ہیں۔ ائمہ کا مقصد لوگوں کو خداوندِ عالم سے متصل و نزدیک کرنا تھا' یہی وجہ ہے کہ ہر قسم کے لوگوں کو ربِّ ذوالجلال سے نزدیک کرنے کے لئے ان کی سطح ایمان اور احتیاجات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے دعائیں تعلیم کی ہیں۔

ہمیں دعا کرتے ہوئے بھی غور و فکر سے کام لینا چاہئے ہمیشہ بعض مخصوص

دعاؤں ہی میں منہمک نہیں رہنا چاہئے بلکہ اس سلسلہ میں بھی مسلسل جستجو کرنی چاہئے۔ مثلاً ہم میں سے اکثر کا یہ خیال کہ دعائے کمیل شبِ جمعہ ہی پڑھی جائے' دعائے ندبہ فقط صبح جمعہ تلاوت کی جائے' دعائے ابو حمزہ ثمالی اور دعائے افتتاح ماہِ مبارک رمضان ہی کی شبوں میں پڑھی جانی چاہئے' درست نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان دعاؤں کا ان مخصوص ایام میں پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن یہ دعائیں ایسے مفاہیم و معنی سے لبریز ہیں کہ انہیں ہر لحظ اپنے وردِ زباں رکھنا چاہئے اور کسی بھی مناسب موقع پر ان کی تلاوت کی جاسکتی ہے۔

ہمارے لئے انتہائی مضر چیز ہمارا رکود و جمود ہے جس نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا بلکہ ہم مسلسل پستی کی جانب گامزن ہیں۔ ہم ہمیشہ اپنی موجودہ صورتِ حال کی بقا ہی میں مشغول رہتے ہیں اور محض اس بناء پر آگے بڑھنے کی جستجو نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں ہمیں اپنی خود ساختہ مشکلات آڑے آتی محسوس ہوتی ہیں درحالانکہ ان مشکلات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ اگر بفرضِ محال کوئی مشکل نظر بھی آتی ہے تو وہ ہماری انتہائی معمولی سی جدوجہد سے رفع ہوسکتی ہے۔

ہم یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ ہماری دعا سننے والا تو وہ رب العالمین' مالکِ کل' قادرِ مطلق ہے جو ہر طرح کی قدرت کا مالک ہے۔ جس کی راہ میں کسی بڑی سے بڑی رکاوٹ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کا ارادہ ہر شے پر غالب ہے۔ نیز یہ کہ دعا تو بندے کا ایک وظیفہ ہے' یہ رمزِ بندگی ہے' یہ انسان کے ایمان کے ارتقاء کی نشانی ہے' بلند ہمتی کی علامت ہے۔

ائمہ معصومینؑ جو زندگی کے ہر موڑ پر ہمارے لئے رہنما کا مقام رکھتے ہیں۔

جن کی تاسی و پیروی ہی ہماری سعادتِ دارین کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں ان کی سیرت کا جائزہ لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے بھیانک ترین اور انتہائی مایوس کن حالات سے دوچار حضرت امام زین العابدینؑ بھی جب میدانِ عرفاء میں خداوندِ عالم کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتے ہیں تو حکومتِ الٰہیہ اور نظامِ امامت کے قیام کی دعا فرماتے ہیں۔

"بارالہا! اپنے ولی و پیشوا کے دل میں اس انعام پر جو اسے بخشا ہے ادائے شکر کا الہام فرما اور اس کے وجود کے باعث ویسا ہی ادائے شکر کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا کر اور اسے اپنی طرف سے ایسا تسلط عطا فرما جس سے ہر طرح کی مدد پہنچے اور اس کے لئے کامیابی و کامرانی کی راہ با آسانی کھول دے اور اپنے مضبوط سہارے سے اس کی مدد فرما۔ اس کی پشت کو مضبوط اور بازو کو قوی کر اور اپنی نظرِ توجہ سے اس کی حفاظت اور اپنی نگہداشت سے اس کی حمایت فرما اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد اور اپنے غالب آنے والے سپاہ و لشکر سے اس کی کمک فرما اور اس کے ذریعہ اپنی کتاب اور حدودِ احکام اور اپنے رسولؐ (ان پر اے اللہ تیری طرف سے درود و رحمت ہو) کی روشوں کو قائم کر اور انکے ذریعہ ظالموں نے دین کے جن نشانات کو مٹا ڈالا ہے از سرِ نو زندہ کردے اور ظلم و جور کے زنگ کو اپنی شریعت سے دور اور اپنی راہ کی دشواریوں کو برطرف کردے اور جو لوگ تیری راہِ صواب سے روگردانی کرنے والے ہیں انہیں ختم اور جو تیرے راہ راست میں کجی پیدا کرتے ہیں انہیں نیست و نابود کردے

اور اپنے دوستوں کے لئے نرم و بردبار قرار دے اور دشمنوں (پر غلبہ و تسلط) کے لئے اس کے ہاتھوں کو کھول دے۔"

(صحیفۂ کاملہ ترجمہ از مفتی جعفر حسین ص۳۵۶-۳۵۷)

یا پھر دعائے افتتاح میں پڑھتے ہیں کہ :

"اے خدا! ہم پوری پوری توجہ کے ساتھ ایک اچھی بڑی حکومت کے سلسلے میں تجھ سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ ایسی حکومت جس کے باعث تو اسلام اور مسلمانوں کو عزت و شوکت فراہم کرے۔ جس کے باعث تو نفاق اور منافقوں کو ذلیل کردے۔"

(دعائے افتتاح ص۵۶-۵۷ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان)

دعاء کی افادیت

اس کی استجابت میں ہے

بہت سے لوگوں کو یہ شکوہ رہتا ہے کہ ان کی دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ دعا کرنے سے کناہ کش ہوجاتے ہیں اور مجالسِ دعا میں شرکت کو تضیعِ اوقات سمجھنے لگتے ہیں۔ دراصل ایسے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی دعا فوری طور پر من و عن قبول ہوجائے۔ یہ طرزِ تفکر، مفہوم اور فلسفۂ دعا سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

عرفا اور علماء فرماتے ہیں کہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک رؤف و مہربان، قادرِ مطلق اور سمیع و بصیر ہستی کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے اور وہ استجابت نہ کرے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر، عالم و قادر، غنی و بے نیاز مالکِ کن فیکون ہم سے کہے کہ :

"اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ"

"مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔" (سورہ غافر ۴۰۔ آیت ۶۰)

نیز فرمائے کہ

"وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ

الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ"

"اے پیغمبرؐ اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے۔ لہٰذا مجھ سے طلبِ قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہِ راست پر آجائیں۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۸۶)

اور پھر ہماری صدا کو درخورِ اعتنا نہ سمجھے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہے کہ لوگ جو دعا مانگتے ہیں کئی مرتبہ وہ قبول ہوتی نظر نہیں آتیں۔ مثلاً اکثر لوگ فقر و فاقہ سے نجات اور دولت و ثروت کی دعا کرتے ہیں لیکن وہ تاعمر اس سے محروم رہتے ہیں۔ اولادِ نرینہ کے طالب ہوتے ہیں لیکن ان کی مراد پوری نہیں ہوتی۔ منصب و مقام کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن کہیں نہیں پہنچ پاتے وغیرہ وغیرہ ------

ایسے ہی مواقع پر استجابتِ دعا کا مفہوم واضح نہ ہونے کی بنا پر انسان بھٹکنے لگتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ اس کی دعا و نیایش، آہ و زاری ایک لاحاصل ریاضت ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ استجابتِ دعا، دعا کے من و عن قبول ہوجانے کا نام نہیں۔ اگر ہر فردِ بشر کی دعا من و عن قبول ہونے لگے تو نظامِ عالم ہی درہم برہم ہوجائے۔

ہم استجابتِ دعا کی بعض صورتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ہماری دعائیں ضائع نہیں جاتیں، ان کا کوئی نہ کوئی اثر لازماً

ہماری زندگی پر رونما ہوتا ہے' خواہ اسے ہم محسوس کریں یا نہ کریں۔ استجابت دعا کی کچھ صورتیں درج ذیل ہیں۔

☆ بروقت دعا من و عن مقبول ہو جاتی ہے اور دعا کرنے والا اپنی مراد پالیتا ہے۔

☆ خداوندِ عالم خود دعا مانگنے والے کی مصلحت کے پیشِ نظر دعا کو قدرے تاخیر سے قبول کرتا ہے۔

☆ بسا اوقات بندہ کسی چیز کی دعا مانگتا ہے لیکن خداوندِ عالم اسے کوئی اور چیز عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ ربّ العالمین کے نزدیک یہی اس کی مصلحت ہوتی ہے اور اسی میں بندے کا فائدہ ہوتا ہے۔

مثلاً بندہ اولاد طلب کرتا ہے' خدا اسے بلند مقام عطا کر دیتا ہے' بندہ مقام طلب کرتا ہے خدا اسے فراواں رزق دے دیتا ہے' بندہ رزق طلب کرتا ہے خدا اسے لاحق مشکلات سے نجات عطا فرماتا ہے۔

☆ بسا اوقات خدا اس دنیا میں بندہ کی حاجت مذکورہ بالا صورتوں میں بھی پوری نہیں کرتا بلکہ دعا کی صورت میں اس کے مسلسل ارتباط کا اجر روزِ قیامت اور دوسری دنیا کے لئے اٹھا رکھتا ہے۔

لہٰذا ممکن ہے یہ کہنا درست ہو کہ خدا ہماری تمنائیں پوری نہیں کرتا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ خدا ہماری دعاؤں کو سنتا نہیں' انہیں قبول نہیں کرتا' ہمارا گڑگڑا کر دعائیں مانگنا بے سود ہے۔

دعائے ندبہ کی افادیت

دعائے ندبہ کی تلاوت کے نتیجہ میں قاری کا ذہن امامِ زمانہؑ کی جانب متوجہ

ہوتا ہے۔ شریعت میں رہبری ائمہ معصومینؑ کی تاکید سے واقف ہوتا ہے' ائمہ سے اس منصب کے سلب کئے جانے کے متعلق جانتا ہے' اس راہ میں ان پر پڑنے والے مصائب و مشکلات سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کو درک کرتا ہے کہ مسلمانوں کی پستی' زوال اور قعرِ مذلّت میں جا پڑنے کی وجہ ائمہ معصومینؑ کی رہبری کو ترک کر دینا ہے۔ لہٰذا وہ رائج نظامِ حکمرانی اور اپنے اوپر مسلط حکمرانوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے زمانہ کے امام کی جانب متوجہ ہوتا ہے' اس کی غیبت کے اسباب پر غور کرتا ہے' زمانۂ غیبت میں اپنے فریضے یعنی انتظارِ امام جسے افضل ترین عبادت قرار دیا گیا ہے کے متعلق سوچتا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اسی مناسبت سے انتظام امامؑ کی مختلف اقسام کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

اقسامِ انتظار

دنیا میں ظلم و جور کی حکمرانی کے بعد بالآخر حضرت امام مہدیؑ کا ظہور اور آپؑ کے ہاتھوں حکومتِ حق کا قیام ان مسائل میں سے ہے جن کا تذکرہ آسمانی صحیفوں، انبیاء ماسلف کے ارشادات، کثیر آیاتِ قرآنی، پیغمبرِ اسلامؐ اور آپؐ کے اہلِ بیتؑ سے منقول روایات میں تواتر و تکرار کے ساتھ ہوا ہے۔ اور علماء کے نزدیک یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔

رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفیٰؐ سے لے کر بقیۃ اللہ حضرت امام مہدی (عج) تک ہر معصومؑ نے عرصۂ غیبت میں افضل ترین عبادت انتظار فرج کو قرار دیا ہے۔ نیز آسمانی بشارتوں اور آیاتِ قرآنی سے بھی انتظارِ امام کی تاکید مستفاد ہوتی ہے۔ لیکن گوناگوں عوامل و اسباب کی بنا پر انتظار کا مفہوم مشتبہ ہوگیا ہے اور ایک معمہ کی صورت اختیار کرگیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انتظار کی مختلف اور ایک دوسرے سے متضاد تفسیریں وجود میں آگئی ہیں۔ ہم ذیل کی سطور میں انتظارِ امامِ زمانہؑ کی مختلف اقسام کا ذکر کرتے ہوئے ان میں سے افضل و اشرف اور شریعت کی نظر میں مطلوب انتظار کی نشاندہی کریں گے۔

○ منفی انتظار

بعض لوگوں کے نزدیک امامِ زمانہ کا انتظار محض ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا نام ہے۔ ایسے لوگوں نے معاشرتی بگاڑ کی بہتی ہوئی رو کے سامنے خود کو بے بس و بے اختیار سمجھ لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نہ ہم میں اتنی سکت ہے کہ ہم کوئی مثبت تبدیلی لاسکیں اور نہ ہی ہمیں اس بات کی اجازت ہے کہ کسی قسم کے تحرک کا مظاہرہ کرکے سماج میں ہرج و مرج پیدا کریں' حکومتوں کے لئے مشکلات کا باعث ہوں اور لوگوں کی جان و مال کے اتلاف کا سبب بنیں۔ بلکہ ہمارا فریضہ تو صرف اس روز کا انتظار ہے جب قائمِ آلؑ محمد ظاہر ہوکر ہماری آنکھوں کو روشن کریں گے اور ہم ان کی رکاب میں دشمنوں سے برسرِپیکار ہوں گے۔

○ انتظارِ عاطفی

کچھ دوسرے لوگ غیبتِ امامِ زمانہ (عج) میں اپنی مسئولیت و ذمہ داریوں کے بارے میں غور و فکر کرنے اور ان کی بجاآوری کے لئے آمادگی پیدا کرنے کی بجائے صرف تعجیلِ ظہور کے لئے دعا و مناجات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ دعائے فرج' دعائے کن لولیک' دعائے عہد' دعائے ندبہ پڑھنے ہی کو انتظار کا تقاضا' طریقہ اور فقط اسی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

○ متجسسین کا انتظار

تجسس انسان کی فطری حس ہے۔ بعض لوگوں کی یہ حس مردہ اور خفتگی کا

شکار ہوجاتی ہے اور بعض لوگوں میں ہمیشہ بیدار رہتی ہے۔ اس حس کی رو سے لوگوں کو چند گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک گروہ کسی بات یا چیز کے حق و حقیقت ہونے کا قائل نہیں ہوتا۔ ہر وہ چیز یا بات جو ان کے مفادات کے مطابق ہو' ان کی نظر میں حق ہوتی ہے۔ اور جو چیز مفادات کے حصول میں مانع ہو وہ ان کی نظر میں باطل ٹھہرتی ہے۔

دوسرا گروہ حق و حقیقت کا قائل ہے۔ لیکن جس چیز کو وہ حق قرار دیئے ہوئے ہے وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ وہ دراصل باطل ہے اور عرصۂ دراز تک اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب اس پر حقیقت واضح ہوتی ہے تو وہ باطل میں اس قدر غرق ہوچکا ہوتا ہے کہ اس سے نکلنا اس کے لئے ناممکن ہوجاتا ہے اور وہ ان مخالفین کی طعنہ زنی سے محفوظ رہنے کی خاطر جو پہلے ہی سے اسے اس کی غلطی سے آگاہ کررہے ہوتے ہیں باطل سے دستکش نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے بارے میں توجیہات گڑھتا ہے' ان کی پردہ پوشی کی کوشش کرتا ہے اور یہی راہ جاری رکھنے کے سلسلہ میں اپنی مجبوریوں کا ذکر کرتا ہے۔ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو ہم اپنے آپ کو بھی ایسی بعض چیزوں میں مبتلا پائیں گے جن کی کوئی شرعی اور عقلی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں لیکن محض اس وجہ سے انہیں ترک کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے کہ یہ چیزیں مخالفین کے نکتہ چینی اور اعتراض کرنے کی وجہ سے ہمارے لئے انا کا مسئلہ بن گئی ہیں۔

تیسرے گروہ کو ہم اہلِ تحقیق کا گروہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے عقائد' افکار' نظریات اور مذہب کے بارے میں مسلسل جستجو و تحقیق میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنے موقف کو خامیوں سے مبرّہ اور عقیدہ کو پختہ کرتے ہیں۔

ایسے لوگ نا صرف لوگوں کے اعتراض و تنقید کا سامنا کرنے پر تیار رہتے ہیں بلکہ انہیں سوال کرنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ جب مدینہ چھوڑ کر بصرے کی جانب عازمِ سفر ہوئے تو اہلِ کوفہ کے نام ایک خط میں یوں تحریر فرمایا۔(نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵۷)

"بعد حمد و صلوۃ واضح ہو کہ دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو میں اپنے قوم قبیلے کے شہر سے باہر نکلا ہوں۔ ظالمانہ حیثیت سے یا مظلوم کی حیثیت سے، میں باغی ہوں یا دوسروں نے میرے خلاف بغاوت کی ہے۔ بہرصورت جن جن کے پاس میرا یہ خط پہنچے انہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور اگر میں صحیح راہ پر ہوں تو میری مدد کریں اور اگر میں غلط راستہ پر جارہا ہوں تو مجھے روکیں۔"

ائمہ معصومین علیہم السلام کی یہ عام سنّت تھی کہ مخالفین کی جانب سے کئے جانے والے اعتراضات اور تنقیدوں کو سنجیدگی اور ٹھنڈے دل و دماغ سے سماعت فرماتے تھے اور اس کے بعد ان کا جواب دے کر فریقِ مخالف کو مطمئن کرتے تھے۔

قرآنِ کریم اور فرامینِ ائمہ اطہارؑ محض باطل سے کنارہ کشی اور اس سے دستبردار ہونے کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ وہ بہترین میں سے بہترین کے انتخاب کی تاکید کرتے ہیں۔ جیساکہ قرآنِ کریم ان بندگانِ خدا کو سعادت کی بشارت دیتا ہے جو قولِ صحیح میں سے صحیح تر کا انتخاب کرتے ہیں۔ جیسے امیرالمومنینؑ عالم اسے قرار دیتے ہیں جو دو خوبیوں میں سے خوبتر کا انتخاب کرے۔

لہٰذا ایسے افراد جو ہمیشہ حق و حقیقت کے متلاشی رہتے ہیں ان کے امامِ

زمانہ سے فوراً جا ملنے کا امکان زیادہ ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص ظہورِ امامؑ سے قبل دینِ حق پر کاربند نہ ہو' عامتہ المسلمین میں سے ہو یا اہلِ کتاب ہو یا غیر اہلِ کتاب لیکن امامؑ کے ظہور کے موقع پر آپؑ کی حکومت کو تسلیم کرلے اور آپؑ کے ہمرکاب ہوجائے۔ اس کے برخلاف مکتبِ اہلِ بیتؑ کے بہت سے ایسے معتقد بھی ہوں گے جو بغیر کسی دلیل و برہان کے بس اپنے آبائی عقیدے پر فخر و گھمنڈ کا شکار رہیں گے اور فکری انجماد کی باعث امامِ زمان (عج) کی معرفت سے عاجز رہیں گے اور ان کے ہمرکاب ہونے کے شرف سے محروم رہیں گے۔

ہمارا یہ ادعا نہ ہی جذباتیت پر مبنی ہے اور نہ ہی ناواقفیت پر کیونکہ تاریخِ اسلام اور خصوصاً تاریخِ عاشورا سے معمولی واقف حضرات بھی جانتے ہیں کہ امام حسینؑ کی ندائے حق پر وہبِ کلبی مسیحی' زہیر ابنِ قین عثمانی العقیدہ اور حر ابنِ یزید ریاحی جیسے عبیداللہ ابن زیاد کے لشکریوں نے لبیک کہا اور بہت سے ایسے لوگ جو فرزندِ نبیؐ کی عزت و شرف سے آگاہ تھے' ان کے امامِ مسلمین ہونے کو جانتے تھے وہ محض اپنے تذبذب اور صحیح تشخیص نہ کرسکنے کی بنا پر حق کی حمایت اور شہدائے کربلا کے جہادِ عظیم میں شرکت سے محروم رہے۔

○ انتظارِ شخصِ امام

بعض لوگوں سے جب زمانۂ غیبت میں انتظار کے تقاضوں کی بابت گفتگو ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ آپ یقین رکھئے جوں ہی امام تشریف لائیں گے ہم انکی صدا پر لبیک کہیں گے۔ بلکہ اسلحہ اور سازو سامان بھی ہمارے پاس موجود ہے

بس امام کی آمد کی دیر ہے' ہم ان کی رکاب میں ہوں گے۔ لیکن ابھی جب کہ امام غیبت میں ہیں ہم اپنے دنیاوی امور نمٹانے میں مصروف رہیں گے۔ سرِ دست ہماری کوئی ذمہ داری نہیں۔ زمانہ میں موجود خرابیوں کا ازالہ اور علاج ہمارے بس کی بات نہیں۔ مولاؑ خود ان مشکلات کو رفع کریں گے۔ آپؑ خود حالات کی اصلاح فرمائیں گے۔ ہمارا کام محض انتظار اور اپنے آپ کو آمادہ رکھنا ہے۔ سرِدست اصلاحِ احوال ہماری ذمہ داری نہیں۔

ایسے لوگ جو غیبتِ امامؑ میں اپنے لئے کسی ذمہ داری کے قائل نہیں۔ ہر چیز کو امامؑ ہی کے دوش پر رکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف صحیح معنی میں امامؑ کے منتظر نہیں بلکہ ظہورِ امامؑ کے موقع پر امام کی راہ کی اوّلین رکاوٹ یہی لوگ ہوں گے۔ ایسے ہی لوگ امام کو تن تنہا دشمنوں کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں۔ کیونکہ امامؑ کی پیشانی پر کوئی خاص علامت تو کندہ نہیں ہوگی جس کی بنا پر ان کی شناخت ہوسکے۔ کیونکہ کسی بھی دور میں انبیاء و ائمہ کو چہرہ اور وضع قطع سے نہیں پہچانا گیا بلکہ معیارِ شناخت دوسری چیزیں ہوا کرتی ہیں (جن کا ذکر اسی تحریر میں شناخت امام کے موضوع پر گفتگو میں آئے گا)۔ ایسے لوگ جنہوں نے اپنے شعور کی تربیت نہیں کی' جو امامؑ کے امتیاز سے واقف نہیں' جو امامؑ کی شناخت پر قادر نہیں' جو اصحابِ امامؑ کی صفات کے حامل تو دور کی بات ہے' ان سے واقف ہی نہیں' وہ کیونکر امام کے ہمرکاب ہوسکتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے تاریخ کے ہر دور میں اولیاء خدا اور انبیاء الٰہی کو اذیتوں سے دوچار کیا ہے۔ ان کے مشن میں رکاوٹیں ڈالی ہیں۔ ان کی راہ میں مشکلات کھڑی کی ہیں۔ آیئے تاریخ کے چند اوراق پر نظر ڈالتے ہیں۔

(الف) بنی اسرائیل نے ایک طویل عرصہ تک حضرت موسیٰؑ کا انتظار کیا' پھر جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون جیسے جابر و قاہر طاغوت سے نجات دلائی۔ بہتے ہوئے نیل کے درمیان سے راستہ بنا کر انہیں دریا عبور کرایا۔ نیز دوسرے معجزات بھی دکھائے۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو مصر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو سورہ مائدہ کی ۲۴ ویں آیت کے مطابق بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ "آپؑ اور آپؑ کا خدا مصر فتح کرنے جائیں ہم یہی رہیں گے۔" اور یوں حضرت موسیٰؑ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل سمیت حضرت موسیٰؑ چالیس سال تک دشت و بیابان میں سرگرداں و پریشان رہے۔

(ب) بنی اسرائیل نے بادشاہِ وقت کے مظالم و تشدد سے عاجز آکر اس وقت کے پیغمبر سے استدعا کی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کریں ہم اس کی قیادت میں طاغوت کو اکھاڑ پھینکیں گے۔ خداوندِ عالم نے اس مقصد کے لئے طالوت کو مقرر کیا۔(سورہ بقرہ۔آیت ۲۴۶) اس پر بنی اسرائیل نے پہلے تو یہ اعتراض کیا کہ طالوت کیسے بادشاہ بن سکتا ہے وہ تو ایک تہیدست انسان ہے۔ روپیہ پیسہ اس کے پاس موجود نہیں۔ اس سے تو ہم خود بہتر اور زیادہ حقدار ہیں۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد ان میں سے بعض طالوت کا ساتھ دینے پر راضی تو ہوگئے لیکن جب جالوت سے مقابلہ آپڑا تو بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم اس طاقتور شخص سے لڑنے کی سکت نہیں رکھتے اور یوں بہت سے لوگ میدان چھوڑ گئے۔

کیا آج ہماری صورتِ حال اس سے کچھ مختلف ہے؟ آج ہم بھی لوگوں کی شخصیت اور انسانوں کی قدر و قیمت' مال و دولت' منصب و مقام کے پیمانوں پر

ناپتے ہیں۔ حتیٰ عالمِ دین' واعظ و خطیب کو بھی اہمیت اس کے علم و تقویٰ کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی مادی حیثیت کے مطابق دیتے ہیں' رہبریت کے لئے علم و تقویٰ' ایمان و استقامت جیسے خصائل کو نظر انداز کرتے ہوئے رعب و داب' جاہ و حشم کے ساتھ راہ چلنے والوں اور بے بنیاد و بلند بانگ دعوے و وعدہ کرنے والوں کے احترام میں اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے نہیں ہو جاتے' ایسے ہی لوگوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کر دیتے' ایسے ہی لوگوں کی رہبریت پر صاد نہیں کر دیتے؟

ایسے عالم میں اگر امامِ زمانہ (عج) ہمارے سامنے انتہائی سادہ لباس میں ظاہر ہوں' جیسا کہ روایت میں بھی مذکور ہے۔ اور ان کے دسترخوان پر بھی خشک اور بے لذّت غذائیں چنی ہوئی ہوں' تو ہمارا رویّہ کیا ہوگا۔ کیا بنی اسرائیل اور ہماری روش میں چنداں فرق کیا جا سکے گا۔

(ج) یہودِ مدینہ توریت کی پیش گوئی کی بنا پر پیغمبرِ ختمی مرتبت کی بعثت کے منتظر تھے اور مشرکین سے نزاع اور جنگ و جدال کے موقع پر انہیں پیغمبرؐ کی بعثت سے ڈراتے تھے اور انہیں خبردار کرتے تھے کہ ہم اپنے پیغمبرِ موعود کے ذریعہ تم پر فتح مند ہوں گے لیکن پیغمبرِ اسلامؐ کی بعثت کے بعد یہ یہودی اپنے تعصب' انحراف اور عدم معرفت کی بنا پر رسولِ مقبولؐ کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ اس کے برخلاف وہ مشرکین جنہیں یہ لوگ پیغمبرؐ کی بعثت کے دن سے خوفزدہ کرتے تھے وہ پیغمبرِ اسلامؐ پر ایمان لے آئے۔

(د) سعد بن وقاص نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی' حالانکہ سعد حضرت علیؑ کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھے ان کے فضائل کے قائل

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاویہ نے ان سے حضرتؑ پر سب و شتم کے لئے کہا تو سعد نے اسے فضائلِ علیؑ میں احادیثِ رسولؐ پڑھ پڑھ کر سنائیں۔

اس کے باوجود جب حضرت علیؑ کو معاندین سے جنگ کا سامنا ہوا اور آپؑ نے سعد سے ساتھ دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا کہ مجھے ایک ایسی تلوار دے دیجئے جو مومن و کافر میں امتیاز کر کے خون بہائے۔

خزیمہ بن ثابت جس کی گواہی کو عدالت میں دو عادل افراد کی گواہی کے برابر سمجھا جاتا تھا' جنگِ جمل میں جناب امیرؑ کو حق بجانب سمجھتا تھا لیکن تلوار نہ نکالی۔ جنگِ صفین کے موقع پر بھی حضرت علیؑ کے ہمنواؤں میں شامل رہا لیکن میدانِ جنگ میں جانے سے گریزاں رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عمار یاسرؓ کی شہادت کے بعد اسے حضرت علیؑ کی حقانیت اور معاویہ کے باطل پر ہونے کا یقین ہوا۔ یہ شخص حضرت علیؑ کے فضائل کا قائل ہونے کی بنا پر آپؑ کو معاویہ سے افضل و اشرف سمجھتا تھا' آپؑ ہی کی خلافت کو حق بجانب جانتا تھا' لیکن معاویہ کو اہلِ قبلہ میں سے سمجھ کر اس سے جنگ کے فیصلہ کو درست نہ سمجھتا تھا' اور یہ اور ایسے ہی دوسرے اصحابؓ عمار یاسر پر نگاہیں جمائے رہتے تھے لہٰذا جوں ہی عمار شہید ہوئے' انہیں معاویہ کے باطل اور حضرت علیؑ کے حق بجانب ہونے کا یقین حاصل ہو گیا اس کے بعد وہ جنگ میں شامل ہو گئے اور شہادت پائی۔

(ح) تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں جو شہر آپؑ کے حدودِ سلطنت میں شامل تھے ان پر معاویہ کی فوجیں آئے دن حملہ کرتی رہتی تھیں۔ اس دوران وہاں جی بھر کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاتا۔

مسلمانوں کی املاک تباہ و برباد کی جاتیں' ان کی عزتیں پامال ہوتیں' انہیں اسیر کیا جاتا۔ ان حالات میں مولائے متقیان جب لوگوں کو ان باغیوں سے جنگ کے لئے پکارتے تو کبھی تو یہ لوگ موسم کی سختیوں اور کبھی اور طرح طرح کے بہانے بنا کر جہاد سے گریز کی راہ اختیار کرتے۔ ان لوگوں کو جہاد پر ابھارنے اور دشمن سے ارضِ اسلامی کے تحفظ کے لئے انہیں پکارنے پر نہج البلاغہ کے متعدد خطبے روشن گواہ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ نے اس قوم کی نافرمانی و کوتاہی سے تنگ آکر ان پر لعن کی اور اپنی موت کی تمنا کی۔

(و) امامِ زمانہ (عج) کے ظہور سے متعلق روایات کے سلسلہ میں ایسی بھی روایات ملتی ہیں جو بتاتی ہیں کہ آپؑ عصرِ ظہور میں تلوار کے ساتھ قیام فرمائیں گے۔ جس کا مفہوم جہاد بالسیف اور قتال ہے۔ یعنی امامؑ کے ظہور کے موقع پر میدانِ کارزار گرم ہوگا' امامؑ اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے تلوار اٹھائیں گے۔

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے بھی کئی ایسی روایتیں مروی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ امامؑ کا قیام "سیرتِ قتل" پر استوار ہوگا' امام لوگوں کو قتل کریں گے۔ آپؑ اس شدت سے قتال فرمائیں گے کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ آلِ محمدؐ میں سے نہیں کیونکہ اگر ان کا تعلق آلِ محمدؐ سے ہوتا تو یہ رحم فرماتے۔ حتیٰ مروی ہے کہ کوفہ میں آپؑ کے ہاتھوں اتنے لوگ قتل ہوں گے کہ لوگ کہہ اٹھیں گے کہ ہمیں اولادِ فاطمہؑ کی ضرورت نہیں۔

یہ بھی روایات میں ملتا ہے کہ امامؑ صرف انہی لوگوں کو قتل نہ کریں گے جو آپ کے خلاف تلوار اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں پر بھی آپؑ کی تلوار چلے گی جو

آپؑ کے نظامِ حکومت میں کسی بھی قسم کی رخنہ اندازی کا موجب ہوں گے۔ یا اس کی مخالفت کریں گے۔

روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ امام مسلسل اٹھارہ یا بہتّر ماہ تک مصروفِ قتال رہیں گے۔

امامؑ کی اس سیرت و روش کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ذرا ہم میں سے ہر ایک اپنے ذہن میں جھانکے تو محسوس کرے گا کہ وہ عیسائیت کے پروپیگنڈہ کہ "دینِ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے" اور مغرب کی جانب سے امن و آشتی کی دُہائی کے ردِّ عمل کے نتیجہ میں جنگ و جہاد حتیٰ مجرموں اور انسانیت کے دشمنوں تک کے قتل و سزا کو معیوب سمجھنے لگا ہے اور عام طور پر ہمارے خیالات کچھ یوں ہوتے ہیں کہ اسلام قتل و خون کو ناپسند کرتا ہے' اسلام رحم کا مذہب ہے۔ حُسنِ سلوک کا درس دیتا ہے' اس کی پیشرفت تو عمدہ اخلاق کے ذریعہ ہوئی ہے' قتال تو سیرتِ پیغمبرؐ کے خلاف ہے' پیغمبرؐ نے تو ابوسفیان تک کو معاف کردیا' حضرت علیؑ نے اپنے قاتل ابن ملجم کو بھی دودھ پلایا تھا' امام زین العابدین نے اہلِ بیتؑ کے سخت ترین دشمنوں مروان اور حصین بن نمیر وغیرہ تک کو پناہ دی تھی۔ ظاہر ہے جن ذہنوں میں دین کا صرف ایک یہی پہلو پایا جاتا ہو' وہ رحمدلی اور نرم روی ہی کو دین سمجھے بیٹھے ہوں اور دوسرے پہلو جیسے کہ حکمِ قرآن "فتنہ ختم ہونے تک کفار سے برسرپیکار رہو۔" رسول مقبولؐ سے عہد شکنی کرنے والے بنی نضیر کا انجام اور خوارج کے خلاف حضرت علیؑ کی سخت روش کہ جس کے دوران آپؑ نے ایک ہی وقت میں چار سو سے زائد خوارج کو واصلِ جہنم کیا جیسے حقائق نظروں سے اوجھل ہوں تو انہیں تو جرائم پیشہ افراد کو

دی جانے والی سزائیں بھی ظلم محسوس ہوں گی۔ ایسے لوگ کیونکر امامِ زمانہؑ کے ہاتھوں لوگوں کے اس قتل و خون کو برداشت کرپائیں گے۔

(ز) ہم میں سے اکثر لوگوں کی دین سے وابستی نسبی نوعیت کی ہے، جو کچھ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا ہے، بس اسی کو دین سمجھے اس سے چمٹے بیٹھے ہیں۔ کبھی دین کے بارے میں غور و فکر اور تحقیق و چھان پھٹک کی کوشش نہیں کی اور جو کچھ اپنے پاس ہے کبھی اس کے کھوٹا، کھرا ہونے کا جائزہ نہیں لیا۔ درحالانکہ دین ہمیں مسلسل غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، حتیٰ ایسے ایمان کو انتہائی کم قیمت کہا گیا ہے جو غور و فکر اور تحقیق و جستجو کے بغیر اختیار کیا گیا ہو۔

لہٰذا جب بھی کوئی معلم، واعظ، عالم جس نے برسوں قرآن و سنّت کی تعلیم و تدریس میں صرف کئے ہوں، ہمارے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کے بتائے ہوئے دین سے مختلف ہو تو ہم بجائے اس پر غور و فکر کرنے اور دین کے معیارات سے اسے پرکھے بنا اسکی مخالفت شروع کردیتے ہیں حالانکہ ہم خود دین کی ابتدائی اور بنیادی باتوں کا بھی علم نہیں رکھتے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ "ہمارا قائم ظاہر ہو کر نئی کتاب لائے گا، نئی چیزوں کی طرف دعوت دے گا، نئے فیصلے صادر کرے گا۔ جو عربوں پر گراں ہوں گے۔" (تاریخ مابعد الظہور۔ سید محمد صدر)

خود آنحضرتؐ نے جب اعلانِ رسالت کیا تو لوگ آپؐ پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے۔ وہی اعتراضات وہ امامِ زمانہ (عج) پر بھی کریں گے۔ روایات میں بھی ملتا ہے کہ امامِ زمانہؑ کو بھی زمانہ ظہور میں وہی مشکلات درپیش ہوں گی جن کا آپؐ کے جد حضرت محمد مصطفیٰؐ کو اسلامی دعوت کے ابتدائی ایام میں سامنا کرنا

پڑا تھا۔

لہٰذا محض امامؑ کی ذات کا انتظار کرتے رہنا نہ امامؑ کے فائدے میں ہے اور نہ ہی منتظر کے فائدے میں۔ ایسے لوگ خود اپنے لئے بھی مسائل پیدا کر سکتے ہیں اور امامؑ کی مشکلات میں بھی اضافہ کریں گے۔

○ انتظارِ مجاہدین

امام زمانہ (عج) کے ظہور سے متعلق موجود روایات بتاتی ہیں کہ آپ کو ظہور کے فوراً بعد جنگ و جدال کا سامنا ہوگا۔ لہٰذا آپؑ کے منتظرین کی کیفیت بھی مجاہدانِ راہِ خدا کی سی ہونی چاہئے اس مدعا پر درجِ ذیل حقائق بطورِ دلیل ملاحظہ فرمایئے۔

♣ امامِ زمانہ (عج) کے ظہور کے حوالہ سے معروف پیش گوئی یہ کی جاتی ہے کہ آپ کا ظہور اس وقت ہوگا جب دنیا فسق و فجور سے بھر چکی ہوگی۔ بساطِ عالم پر ظالموں، فاسقوں اور مستبدوں کا قبضہ ہوگا، جو اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر مظلوموں پر مسلط ہوں گے۔ امامِ زمانہؑ کمزور و مظلوم انسانوں کو ان کے خونخوار پنجوں سے نجات دلا کر دنیا کو امن و امان، صلح و آشتی کا گہوارہ بنا دیں گے۔ ظاہر ہے یہ خونخوار اور ظالم و فاسق افراد محض واعظ و نصیحت، تلقین و تاکید سے اپنے غصب کئے ہوئے منصب سے دستبردار نہ ہوں گے بلکہ انہیں قوت و طاقت کے ذریعہ ان کے منصب سے ہٹایا جائے گا۔

♣ بعض روایات کے مطابق امامِ زمانہ (عج) تلوار کے ساتھ قیام فرمائیں گے۔ یعنی آپؑ طاقت و قدرت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ وضاحت کے

ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ ماضی کے اسلحہ (تلوار) ہی کو استعمال کریں گے یا مستقبل کا کوئی ہتھیار ہے۔ کچھ مفسرین کا کہنا ہے کہ ان روایت میں تلوار کا لفظ کنایتاً طاقت و قدرت کے لئے استعمال ہوا ہے۔

♣دورانِ غیبت امامِ زمانہ (عج) کا انتظار کرنے والوں کے درجات و فضائل کے ضمن میں کہا جاتا ہے کہ اگر امامؑ کا کوئی سچا منتظر آپؑ کے ظہور سے قبل وفات پاجائے گا تو خداوندِ عالم ایسے شخص کو امامؑ کے فوجی دستہ میں امامؑ کے ہمرکاب لڑنے والوں کے ساتھ محشور کرے گا۔

♣امامِ زمانہ (عج) کا انتظار کرنے والوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے پاس اسلحہ رکھیں خواہ وہ ایک تیر ہی کیوں نہ ہو۔

♣امامِ زمانہ (عج) کے ظہور کو پیغمبرؐ کے ظہور سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جن رکاوٹوں کا جناب رسالتمآبؐ نے سامنا کیا اور جو ذرائع اختیار کرکے آنحضرتؐ نے کفر و شرک کی کمر توڑی اور اپنی قوت و طاقت سے ان پر غلبہ قائم کیا اسی طرح امامِ زمانہ (عج) بھی کفر پر غلبہ حاصل کریں گے۔

لہٰذا جہاں ایک طرف وعظ و نصیحت، تلقین و تاکید کے ذریعہ لوگوں کو راہِ راست پر لائیں گے وہیں سرکش لوگوں کو شمشیر کے ذریعہ سیدھی راہ دکھائیں گے۔

♣بعض روایات کے مطابق امامِ زمانہ (عج) اسلام کے تمام دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

♣دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں لائی جاسکتی کہ کوئی سرکش گروہ محض تلقین و تاکید، واعظ و نصیحت اور سمجھانے بجھانے سے رام ہوگیا ہو۔ جہاں بھی کوئی

مغلوب ہوا وہ طاقت و قدرت کے اثر سے ہوا اور اگر کہیں حق کو بھی مغلوب ہونا پڑا تو اس کا سبب بھی قوت و طاقت کا فقدان تھا۔

مذکورہ تمام حقائق جو ظہورِ امامِ زمانہ (عج) کے موضوع پر موجود روایات و احادیث سے ماخوذ ہیں' نیز دوسرے اور دلائل اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ امامِ زمانہ (عج) کا ظہور قوت و طاقت کا متقاضی ہے' امام کو عصرِ ظہور میں جنگ و جہاد اور دشمنوں کی مزاحمت کا سامنا ہو گا لہٰذا آپؑ کو قوی' جری اور نڈر اصحاب اور بہترین عسکری لوازم درکار ہیں۔ چنانچہ دورانِ غیبت آپؑ کے منتظرین کا فریضہ امامِ زمان کے لئے بہترین سپاہ کی فراہمی بھی ہے۔

یہاں ایک اور بات کی جانب توجہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ ظہور حجتؑ کے لئے حالات سازگار کرنے اور آنجنابؑ کے ہمرکاب ہونے کے سلسلہ میں تیاری و آمادگی ہر فرد پر لازم ہے' لہٰذا کوئی اس بارے میں محض دوسروں کو تاکید و تلقین کرنے سے بری الذمّہ نہیں ہو سکتا بلکہ ضروری ہے کہ وہ خود اپنے اندر بھی وہ خصوصیات پیدا کرے جو حجّتِ خدا کے ساتھیوں کے لئے ضروری ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ سپاہِ امامؑ کی تشکیل سے یہ بات ذہن میں نہ آئے کہ بس فوری طور پر کچھ لوگوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا جائے------ نہیں بلکہ اوّلین کام لوگوں کے دلوں میں خدا' معاد' نبوت اور امامت پر ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہے' ایمان کی پختگی کے ساتھ ان کا تزکیہ نفس کیا جائے۔ ان کے قلوب کو صاف و شفاف کیا جائے۔ نورِ ایمان سے منور کیا جائے------ ان مراحل کو طے کئے بغیر لوگوں کو مسلح کر دینا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی بچّے کے ہاتھ میں کوئی مہلک ہتھیار دے دینا کہ وہ غیر ذمہ داری

سے اسے استعمال کرتے ہوئے کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی بے ایمان لوگوں کے ہاتھ قوت و طاقت' اسلحہ و ہتھیار آئے ہیں انہوں نے اس کے بل بوتے پر لوٹ مار' قتل و غارت کا بازار گرم کیا ہے' بے گناہوں کو تہ تیغ کیا ہے۔ جیسے بسر ابن ارطاۃ' ضحاک بن قیس' مسلم ابن عقبہ اور حجاج ابن یوسف وغیرہ------

لیکن جب یہی شمشیر باایمان اور تزکیہ نفس کی حامل ہستیوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو وہ دشمن پر وار کرتے ہوئے بھی تامل سے کام لیتے ہیں کہ مبادا وہ پشیمان ہوجائے اور معاملہ جنگ و جدال کے بغیر طے ہوجائے۔ بسا اوقات تو یہ تامل اس قدر دراز ہوجاتا ہے کہ خود ان کے اپنے ساتھی شک و شبہ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

ہم اپنے اردگرد روز و شب جو دہشت انگیز' المناک اور ہولناک مناظر دیکھ رہے ہیں۔ ہر فرد پریشان و مضطرب ہے۔ سرسری طور پر ہی اس صورتِ حال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کی اصل وجہ بے دین' بے ایمان اور ناشائستہ لوگوں کے ہاتھ میں اسلحہ کا آجانا ہے۔

غرض منتظرینِ امامِ زمانہ (عج) کا اوّلین فریضہ اپنے آپ کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ امامِ زمانہ کے ظہور کے موقع پر ان کے لشکر اور ان کی جماعت کی تقویت کا باعث بن سکیں۔

○ انقلابی انتظار

انقلابی انتظار کی کئی اقسام ہیں۔ ہم یہاں ان کا تقابلی جائزہ لے کر ان میں

سے انسب کی نشاندہی کریں گے۔

پہلی قسم۔ بے شعور انتظار

انتظار کی یہ روش عام طور پر جذباتی اور جوشیلے نوجوانوں کی اپنائی ہوئی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ درس و تدریس، فکری و نظریاتی تربیت، تزکیۂ نفس اور اسلامی اخلاق اپنانے کی تاکیدات امامِ زمانہ (عج) کے ظہور کے سلسلہ میں کسی درد کی دوا نہیں۔ محض جدوجہد اور عوامی تحریک کے ذریعہ امامؑ کے ظہور کو نزدیک کیا جاسکتا ہے۔ یہ وقت حرکت و جنبش اور اقدام کا ہے، ہمیں چھلانگ لگا کر میدانِ عمل میں کود پڑنا چاہئے اور اس مقصد کے لئے ہمیں سیاسی اور عسکری مہارت درکار ہے۔

لہٰذا یہ لوگ اپنے ہمنواؤں میں اضافے اور عوام الناس کو متحرک کرنے کے لئے طرح طرح کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ میدانِ سیاست میں غیر فطری و غیر اسلامی انداز اختیار کرتے ہیں اور یوں سیاسی سوجھ بوجھ کے فقدان اور اسلامی سیاست کے تقاضوں سے ناآشنائی کی بنا پر پہلے سے سرگرمِ عمل طالع آزماؤں کے لئے ترنوالہ بن جاتے ہیں۔

ہم ان حضرات کی نیتوں اور عزائم کے بارے میں تو کچھ کہنے سے قاصر ہیں لیکن بہرحال یہ ان طالع آزماؤں کا بالواسطہ یا براہِ راست ساتھ دیتے ہیں اور اس کا جواز کبھی نظریہ ضرورت، کبھی ان کا ہم مسلک ہونا اور کبھی اپنے دشمن کا دشمن ہونا بیان کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ یہ جن لادین عناصر کا ساتھ دیتے ہیں اگر ان کی طرف سے برملا مذہب بیزاری کا اعلان بھی ہو تو یہ لوگ اس سے یہ

کہتے ہوئے چشم پوشی کرتے ہیں کہ "ان کے یہ خیالات ہمارے مسلک کے بارے میں نہیں بلکہ دوسروں کے مسلک کے بارے میں ہیں۔"

مذہب کا مذاق اڑانے والوں اور دین کی قدر و قیمت گھٹانے کی کوشش کرنے والوں کا ساتھ دے کر کسی صورت اسلام کی خدمت ممکن نہیں۔ یہ طرزِ عمل کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتا اور ہرگز اسے امامِ زمانہ (عج) کے ظہور کے لئے جدوجہد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ایسے لوگوں کو میدانِ عمل میں لانا فکر و شعور اور صحیح اسلامی خطوط پر گامزن تحریکوں کے خلاف استعمار کی ایک سازش بھی ہوسکتی ہے۔ تاکہ اس کے خلاف کوئی گہری اور منظم تحریک نہ اٹھ سکے۔ بلکہ اپنے ان گماشتوں کے ذریعہ ایسی تحریک سے تعلق رکھنے والوں کو رجعت پسند، ڈرپوک اور بے عمل کہہ کر بدنام کیا جائے اور معاشرہ سے انہیں کاٹ کر ان کی فکر و تحریک کو پنپنے کا موقع نہ دیا جائے اور قوم کی توجہ بے سوچے سمجھے مجنونانہ اقدامات کرنے والوں اور محض "سرگرم انقلابیوں" پر مرکوز رکھی جائے۔ جو نہ ہی منزل کا ادراک رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے حصول کے طریقوں سے آگاہ اور نہ اس بارے میں غور و فکر کرنے کے قائل ہیں۔

تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ اس قسم کے اقدامات اٹھانے والوں نے جابجا اصل اسلامی تحریکوں پر کاری ضربات لگائی ہیں اور انہیں کمزور کرنے اور پیچھے رکھنے میں ان لوگوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام جعفر صادقؑ کا یہ قول معروف ہے کہ "ان کی وجہ سے ہمیں ملنے والے کئی مواقع ضائع ہوئے ہیں۔" اسی طرح ہم اگر اپنی قومی تاریخ کا جائزہ لیں تو بعض

بزرگوں کے منع کرنے کے باوجود اٹھائے گئے غیر دانشمندانہ اقدامات نے قوم کو انتہائی نقصانات سے دوچار کیا۔

دوسری قسم۔جامد انتظار

اس عنوان کے تحت وہ لوگ آتے ہیں جو زمانۂ غیبت میں وعظ و نصیحت، درس و تدریس، تزکیۂ نفس اور زہد و تقویٰ کی تلقین و تاکید ہی کو اپنا فریضہ قرار دیئے ہوئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر نماز کا رواج ہو جائے، لوگ باقاعدگی سے خمس و زکات ادا کرنے لگیں تو خود بخود امام (عج) ظاہر ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ اجتماعی و سیاسی میدان میں کردار ادا کرنے سے گریزاں رہتے ہیں، ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں، اسے وقت و توانائیوں کا زیاں قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس اپنے اعمال درست رکھئے اور امامؑ کے ظہور کے لئے دعا کیجئے۔ لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو کہیں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی معاشرہ میں محض وعظ و نصیحت اور زبانی تلقین و تاکید کے ذریعہ انقلاب بپا ہو گیا ہو۔ کسی طاغوت نے صرف تبلیغ سے متاثر ہو کر امور کی باگ ڈور نبی کے ہاتھ میں نہیں دی، کسی دور کے سرکش فقط وعظ و نصیحت سے رام نہیں ہوئے۔

تیسری قسم۔انتظارِ حکومتِ امام

امامِ زمانہؑ کے منتظرین کا یہ گروہ فلسفۂ اسلام، آیاتِ قرآنی اور روایاتِ معصومینؑ کی روشنی میں اس بات کا معتقد ہے کہ امامؑ ظہور کے بعد دنیا میں ایک عالمی اسلامی حکومت تشکیل دیں گے۔ لہٰذا ان کا کہنا ہے کہ جب تک ہم اس

ہدف کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امامؑ کا انتظار نہ کریں، ہمارا انتظار کرنا بے سود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک دنیا کے مختلف خطوں میں معاشرتی و سیاسی امور کی باگ ڈور صالح لوگوں کے ہاتھ میں نہ آئے گی اس وقت تک ہم ظہورِ امام کو نزدیک نہیں کر سکتے۔

یہ کہتے ہیں کہ دینی مدارس کا قیام، وعظ و نصیحت کے اجتماعات، مجالس و محافل کا انعقاد اور دعا و مناجات میں مصروف رہنا امام کے ظہور میں تعجیل کے لئے کافی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ افراد معاشرہ میں ایک صالح قیادت کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے کی فکر کی نشوونما امام زمانہ کے ظہور میں تعجیل کا ایک مرحلہ ہے۔ بلکہ معاشرہ میں اس فکر کو پروان چڑھانے سے بڑھ کر اپنے اپنے دائرہ میں ایسی قیادت کی فراہمی اور اسے روبہ عمل لانا امامِ زمانہ کے حقیقی منتظر ہونے کی دلیل ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ حالات سازگار ہونے کے نتیجہ میں امامؑ ظہور فرمائیں گے۔ یہی لوگ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوری طور پر لشکرِ امامؑ میں شامل ہوں گے، کیونکہ یہ لوگ اسلام کو بطور ایک ضابطۂ حیات کے قبول کرتے ہوں گے، اس کے تقاضوں سے واقف ہوں گے، کفر و شرک اور لادین حکومتوں کے افکار و اطوار اور اسلامی حکومت اور رہبرِ اسلام کے افکار و اطوار میں تمیز کرنے کی صلاحیت کے مالک ہوں گے۔ حاکمِ اسلامی کی خصوصیات اور اختیارات سے آگاہ ہوں گے اس لئے وہ اپنے امام اور پیشوا کو اسی زاویۂ نظر سے دیکھیں گے۔ لہٰذا نہ ہی انہیں امام کی شناخت میں کوئی دقّت ہوگی اور نہ ہی امامؑ کے اقدامات ان کے لئے حیرت و استعجاب اور شکوک و شبہات کا سبب بنیں گے۔

ایسے لوگ کیونکہ سعادتِ دارین کی راہ صرف حکومتِ اسلامی کے قیام ہی کو جانتے ہوں گے اس لئے اس کے قیام کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں گے اور تمام مصائب و مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

اس کے برعکس ایسے لوگ جو حکومتِ اسلامی کے قائل ہی نہ ہوں۔ اس کی خوبیوں سے آشنا ہی نہ ہوں۔ وہ رائج نظاموں اور لادین خیالات سے اس قدر متاثر ہوں کہ وہی ان کی نظر میں اعلیٰ اقدار کا درجہ رکھتی ہوں۔ وہ خداوندِ عالم کے نازل کردہ قوانین پر مغربی قوانین اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں کو ترجیح دیتے ہوں' اسلامی قوانین کو فرسودہ اور عصری تقاضوں سے سے غیر ہم آہنگ قرار دیتے ہوں تو ایسے لوگ ایک ایسے امام کا انتظار کیونکر کرسکتے ہیں جو ان نظاموں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے گا اور ان کے تباہ شدہ ملبہ پر اسلام کے عادلانہ نظام کی بنیادیں استوار کرے گا اور زمین کو ظلم و ستم اور فساد سے خالی کردے گا۔

شناختِ امامؑ

شناختِ امام کے سلسلہ میں ایک واضح اور آسان سا طریقہ یہ رہا تھا کہ ہر امامؑ اپنے جانشین کے بارے میں براہِ راست اپنے پیروکاروں یا معتمد افراد کو بتا دیتا تھا۔ کبھی یہ بتانا باقاعدہ نام لے کر ہوتا تھا اور کبھی صریح و روشن علامات بیان کر دی جاتی تھیں، جس کی بنا پر لوگ متوفی امامؑ کے بعد فوراً اس کے جانشین کی جانب رجوع کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے انتہائی نامساعد حالات اور جاسوسوں کے سخت پہرے کے باوجود اپنے خاص اصحاب کے سامنے اپنے فرزندِ دلبند کو خدا کی آخری حجت کے طور پر پیش کیا۔

امامِ زمانہ حضرت حجتہ ابن الحسنؑ کی غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں آپؑ کے نوابینِ اربعہ آپ کی شناخت کا ذریعہ بنے رہے لیکن غیبتِ کبریٰ کے شروع ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب لوگوں کے پاس محض یہ شناخت رہ گئی ہے کہ ان کے پیشوا امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں، وہ کہاں ہیں، کیسے ہیں، ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علماء، عرفاء اور زہاد کے سامنے بھی ہوتے ہیں تب بھی وہ انہیں پہچاننے سے عاجز رہتے ہیں لیکن ان کے جدا ہونے کے بعد ان کے آثار، ان کی باتوں، ان کی ہدایات یا ان کی پیش گوئیوں کی بنا پر معلوم

ہوتا ہے کہ ارے یہ تو ہمارے امامؑ تھے۔ مختصر یہ کہ امامؑ کا عدم حضور ان کی شناخت کے سلسلے کی ایک مشکل ہے۔

امامؑ کی طرف متوجہ نہ ہونے اور انکی شناخت نہ کرسکنے کی دوسری مشکل امامؑ کے ظہور کے بعد پیدا ہوگی اور وہ یہ کہ جیساکہ روایات میں ملتا ہے کہ امامؑ سیرتِ داؤدؑ و خضرؑ کی نہج پر عدالت و قضاوت کریں گے۔ یعنی کسی نزاع کے بارے میں گواہ و بینہ طلب نہ فرمائیں گے بلکہ اپنے موہوبی اور خداداد علم و معرفت کی بنیاد پر مقدمات کے فیصلہ کریں گے۔ آج جب امامؑ ہمارے امور میں دخیل نہیں، ہمارے خلاف کوئی فیصلہ صادر نہیں کررہے، ہم سے کسی چیز کی باز پرس نہیں فرمارہے ہم ان کی طرف متوجہ نہیں، ان کی مفارقت ہمیں ناگوار نہیں، ان سے محبت و الفت کا کوئی اظہار نہیں کرتے، ان کا عشق ہمیں ان کی تلاش پر نہیں اکساتا۔ بلکہ ہم عیش و طرب میں زندگی بسر کررہے ہیں۔ بے فکر ہیں!!!۔۔۔۔ ان حالات میں اگر امامؑ ظہور فرمائیں اور ہمارے لئے حکم صادر کریں کہ مثلاً "اپنی زوجہ سے دستبردار ہوجاؤ یہ تم پر حرام ہے"، "یہ منصب و مقام چھوڑ دو یہ تمہارا حق نہیں"، "یہ املاک و جائیداد تمہاری نہیں یہ تم نے حرام ذرائع سے حاصل کی ہے یا تم پر حق خدا و حق امامؑ (زکوۃ و خمس) اس قدر عائد ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ فروخت کرکے بھی ادا کرنا چاہو تو اس کی ادائیگی نہ ممکن ہے اور تم مقروض رہوگے۔ تو کیا ہم اس کے باوجود امامؑ کی پذیرائی کریں گے، انہیں قبول کریں گے، ان کی پیروی کریں گے، کیا ہمارا یہ نقصان ہمیں امامؑ سے دور نہ کردے گا؟

ممکن ہے ہماری گزارشات بعض قارئین کو گراں محسوس ہوں اور وہ یہ مطلب اخذ کریں کہ کوئی بھی امامؑ کو شناخت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ امام کا پہچاننا اور انکی پیروی کرنا آسان نہیں، اگر یہ سہل ہوتا تو اس قدر خونریزیاں نہ ہوتیں۔ ائمہ کو مشکلات و مصائب کا اس قدر سامنا نہ کرنا پڑتا اور ہمارے آخری پیشواؑ کو پردۂ غیب میں نہ جانا پڑتا۔

لیکن امامؑ کی شناخت اور پیروی اس قدر مشکل بھی نہیں کہ انسان کے لئے ناممکن ہو، بشرطیکہ ہم ان شرائط کو ملحوظ رکھیں جو اس سلسلہ میں ضروری ہیں۔

لوازمِ شناخت

امامؑ کی شناخت کے سلسلہ کی سب سے اہم چیز خود "امامت" کی شناخت ہے۔ یعنی امامؑ سے شناسائی کے لئے "نظام امامت" سے بخوبی واقفیت ضروری ہے۔ جب تک امامت کے بارے میں آگاہی نہ ہو، امامؑ سے آگاہ نہیں ہوا جاسکتا۔ بالکل ایسے ہی جیسے جب تک انسان سچّائی کو نہ جانتا ہو کسی کے سچّے ہونے کی گواہی نہیں دے سکتا۔ جب تک انسان قضاوت کے تقاضوں سے آگاہ نہ ہو صحیح قاضی کا تعین نہ کرسکے گا، کوئی انسان جب تک علومِ قرآن پر دسترس نہ رکھتا ہو وہ کسی مفسرِ قرآن کے مقام و مرتبہ کے بارے میں فیصلہ نہیں کرسکتا، جو شخص فقہ کی گہرائیوں سے واقف نہ ہو وہ فقیہ کا انتخاب نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جو "امامت" کے مفہوم سے واقفیت نہ رکھتا ہو وہ امام کی شناخت نہیں کرسکتا۔ بنابراین ائمہ اطہارؑ، علماء اور عرفاء کا فرمان ہے کہ جس طرح رسول کو سمجھنے کے لئے رسالت کا سمجھنا ضروری ہے اسی طرح امام کو سمجھنے کے لئے نظامِ

امامت سے شناسائی لازمی ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ تاریخ شیعوں کی طرف سے امامت کے قیام کے لئے دی جانے والی عظیم الشان قربانیوں کے تذکرہ سے پُر ہے۔ اس نظام کی حفاظت و پرورش شیعوں کے ذریعہ ہوئی۔ ۔۔۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ہاتھوں یہ مسئلہ آج ہمارے لئے محض ایک تاریخی مسئلہ کی حیثیت اختیار کرگیا ہے' نہ ہی ہم اس نظام پر قائم رہے ہیں اور نہ ہی اس کے خدوخال سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ آج بھی اگر ہم اس نظام سے آگاہی حاصل کریں' اس سے اپنی وابستگی کو گہرا بنائیں تو ہمارے لئے امامِ زمانہؑ کی نہ صرف شناخت سہل ہوجائے گی بلکہ ہم ابھی سے نظامِ امامت کے قیام کی داغ بیل بھی ڈال سکیں گے۔

ذیل کی سطور میں ہم نظامِ امامت کے بعض ابعاد کا تذکرہ کریں گے۔

پہلا بُعد : نظامِ امامت کا یہ بُعد ایک ایسا مسلّمہ ہے جس پر تمام ادیان و مکاتب' فرق و مسالک متفق ہیں اور وہ ہے معاشرہ کے لئے ایک حاکم و رہبر کی ضرورت' مملکت کے انتظام و انصرام اور سماج کی رہبری کے لئے ایک رہبر و قائد کی ضرورت کا کوئی صاحب شعور منکر نہیں ہوسکتا۔

دوسرا بُعد : نظامِ امامت کا دوسرا بُعد امام کا منصوص من اللہ ہونا ہے۔ یعنی امامؑ کے انتخاب میں بندوں کا کوئی عمل دخل نہیں' ان کی صوابدید پر یہ عہدہ کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا بلکہ امام خداوندِ عالم کی جانب سے نصب کیا جائے گا۔

تیسرا بُعد : امامؑ کو اعلمِ دوراں' عصمتِ کبریٰ کا حامل اور بے مثل و انتہائی شجاعت کا مالک ہونا چاہئے۔

چوتھا بُعد : رسولِ مقبولؐ کے بعد مذکورہ صفات و شرائط کی حامل حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذاتِ مبارک تھی، آپؑ کے بعد بالترتیب امام حسنؑ و امام حسینؑ اور آپ کی نسل سے ۹ آئمہ ان صفات اور شرائط کے حامل ہیں۔ مختصر یہ کہ ہمارے ۱۲ ائمہ علیہم السلام ان خصوصیات کے حامل تھے جن کا تذکرہ ہم نے مذکورہ بالا دو نکات میں کیا ہے۔

❁

تبصرہ۔

جیسا کہ ہم نے پیشتر رقم کیا کہ امام و حاکم کی ضرورت اور لزوم کا کوئی ذی شعور منکر نہیں۔ نیز امام کے اعلم، شجاع، متقی و پرہیزگار ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ صرف امامؑ کے منصوص من اللہ ہونے والی بات محلِ نظر ہے اور اس بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں۔ شیعوں کا کہنا ہے کہ امام کو خداوندِ عالم بذاتہٖ نصب کرتا ہے جب کہ اہلِ سنّت اس کا نصب اُمّت کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔ یہ اختلافی مسئلہ کیونکہ سرِدست ہمارا موضوع بحث نہیں اس لئے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اوّل الذکر دو نکات پر جس میں تمام مسلمانوں کے مابین اتفاقِ نظر پایا جاتا ہے ہم کس حد تک متوجہ ہیں تاکہ ایک صالح اور سعادت مند معاشرہ تشکیل پا سکے۔ اگر آج ہم ایک عادل اور صالح رہبر کی قدر و قیمت نہ پہچانیں گے، اپنے معاشرہ کو ایک صالح نظام کے تابع نہ کریں گے تو کیونکر یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ کل جب امامؑ کا ظہور ہوگا تو ہم ان کی رہبری کو قبول کریں گے، ان کے عادلانہ فیصلوں کی

بلاچوں وچرا تعمیل کریں گے اور انکے رائج کردہ عادلانہ نظام کو اپنی ذاتی منفعتوں کے منافی پاتے ہوئے بھی بخوشی و رغبت قبول کریں گے۔

اگر ہم اپنے چھوٹے چھوٹے اداروں میں اپنی تنظیموں کے عہدیداروں کے انتخاب کے موقع پر عدالت، شجاعت اور صالحیت جیسی صفات کے حامل افراد کو ترجیح دیتے۔ اپنے لیڈروں کا ذات برادری اور مسلک سے تعلق اور ذاتی پسند و ناپسند کی بجائے ان میں تقویٰ و امانت اور خوفِ خدا جیسی صفات کو پیشِ نظر رکھ کر چناؤ کرتے تو یقیناً خداوندِ عالم ہمارا حامی و ناصر ہوتا اور اپنے صالح بندوں تک ہماری رسائی کرتا اور پھر یہ صورتِ حال ظہورِ امامؑ میں تعجیل کا موجب ہوتی۔

اگر ہم کسی عالم سے کسبِ فیض کی غرض سے علمیت کو بنیاد بنا کر اس کی تلاش کرتے تو اس مرحلہ میں لامحالہ ہمارے لئے کچھ نہ کچھ علم کا حامل ہونا لازم ہوتا کیونکہ بغیر علم کے عالم کی شناخت محال ہے۔ رفتہ رفتہ یہی رویّہ نا صرف ہمارے علم میں اضافہ کا موجب ہوتا بلکہ معاشرہ میں علم کی قدر و قیمت اور حیثیت بڑھنے کا سبب بن جاتا۔

اس وقت ہمارے پاس علم ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں، علم کی قدر و قیمت نہیں، جب ہم ایک عام عالم کے علمی مقام کا اندازہ نہیں کر سکتے تو کیونکر علمِ امامؑ کو شناخت کر سکیں گے۔

اگر ہم اپنی رہبریت کے لئے معصوم کی غیر موجودگی میں عادل کو ترجیح دیں عدل کی اہمیت کے قائل ہوں تو رفتہ رفتہ معاشرہ میں عدل کی اہمیت، قدر و قیمت اور عادل افراد میں اضافہ ہوگا اور یوں عادل کے بعد معصوم کی شناخت

ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہ رہے گی۔

شناخت کا دوسرا پہلو (شریعت کی شناخت)

جیساکہ روایات میں آیا ہے کہ امامِ آخرالزمان ایک نئی کتاب، نئے دین اور نئی شریعت کے ساتھ ظہور فرمائیں گے۔ لیکن واضح رہے کہ اس سے مراد قرآن کے علاوہ کوئی نئی کتاب اور اسلام کے علاوہ کوئی اور دین و شریعت نہیں بلکہ یہ تعبیر اس بنا پر استعمال کی گئی ہے کہ ظہورِ قائمِ آلِ محمدؐ تک لوگ دینی مفاہیم اور قرآن و سنّت سے اس قدر نابلد ہو چکے ہوں گے اور ان کے یہاں جو دین رائج ہوگا وہ اس قدر محرّف ہوگا کہ جب امامؑ ان کے سامنے اصل دینی تعلیمات پیش کریں گے، تو وہ انہیں نئی باتیں محسوس ہوں گی لہٰذا وہ انہیں رد کریں گے اور ظاہر ہے کہ اسی بناء پر وہ امامؑ کی امامت کو بھی قبول نہ کریں گے۔ لہٰذا امامؑ کی شناخت اور ان کے سچّے پیروکار ہونے کے واسطے دین و شریعت سے وابستگی، اس سے گہری شناسائی اور اس کے مقاصد سے آگاہی لازم ہے۔

امام زمانہ (عج) کی شناخت کی مشکل بھی اسی صورت میں حل ہو سکتی ہے جب ہم قرآنِ کریم، دینِ اسلام اور رسولِ مقبولؐ کی سنّت و روش کو پہچانیں۔ اس شناخت کے وسائل ہر دور میں موجود رہے ہیں جیساکہ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں۔

"اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی پیغمبرؑ یا آسمانی کتاب یا دلیل قطعی یا طریقہ روشن کے کبھی یوں ہی نہیں چھوڑا۔" (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱)

امامؑ کی شناخت امام ہی کے توسّط سے ممکن ہے

امامِ غائب کی شناخت امامِ حاضر سے

جیساکہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں ہر امامؑ نے اپنے چند معتمد اصحاب سے اپنے بعد والے امامؑ کا تعارف کرایا۔ اس طرح ایک امامؑ کے بعد دوسرے امامؑ کو پہچاننا ممکن ہوتا تھا۔ امامِ زمان حضرت حجّۃ ابن الحسن العسکریؑ کے سلسلہ میں بھی یہ سنّت جاری رہی لیکن جیساکہ ہم سب ایک ایسے دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں امام حسن عسکری علیہ السلام کا کوئی معتمد ساتھی، کوئی ایسا صحابی موجود نہیں جسے حضرتؑ نے امامِ آخر کو پہنوایا تھا۔ اندریں حالات سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امامؑ ظاہر ہوں تو انہیں کس طرح پہچانا جاسکے گا؟

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ ہر امامؑ کی امامت پر دو امام گواہ رہے ہیں۔ دو اماموں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ جب ان میں سے ایک امام نظروں سے اوجھل ہو، اس تک امت کی رسائی نہ ہو تو دوسرے امام سے امام کی شناخت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ دوسرا امام "قرآنِ مجید" ہے۔ جب بھی لوگ امامِ ناطق پر تنقید و اعتراض کرتے تھے، جب بھی اس کی شخصیت و اقدامات کو نکتہ چینی کا نشانہ بناتے تھے تو امامؑ اس امامِ صامت (قرآنِ کریم) سے استدلال کرتے تھے، اس کے ذریعہ اپنی حقانیت ثابت کرتے تھے، اس سے اپنے موقف کی صداقت پر دلیل فراہم کرتے تھے۔ خود قرآن اپنے امام ہونے کو یوں بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی جو رہنما اور رحمت تھی۔"
(سورہ احقاف ۴۶۔ آیت ۱۲)

"اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو قوم کے لئے پیشوا اور رحمت تھی۔" (سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۱۷)

یہ وہ امام ہے جو کبھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا' کبھی پردۂ غیب میں نہیں جاتا ہمیشہ لوگوں کے حضور میں رہتا ہے۔ خواہ بندگانِ خدا اس کی قدر کریں نہ کریں' اس کو درخورِ اعتنا جانیں نہ جانیں' اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک دیں نہ دیں۔ ہاں اس امام کے فرامین سے روگردانی کے بعد کسی ہدایت کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس کی راہ چھوڑ کر راہِ راست کی آرزو عبث ہے' اسکی بتائی ہوئی منزل کو نظرانداز کرکے سعادت و کامیابی کے لئے کسی اور منزل کی جانب سفر یقینی ناکامی اور نامرادی ہے۔

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں۔

"تم پر لازم ہے کہ قرآن کا دامن تھامے رہو۔ اس کو اپنا امام و قائد قرار دو' یہ وہ رہنما ہے جسے کوئی طاقت و قدرت شکست نہیں دے سکتی۔"

"یہ قرآن وہ کتاب ہے جو عام لوگوں کے ساتھ ساتھ انبیاء و اوصیاء کا بھی امام ہے۔"

قرآن ایک ایسی دولت ہے جس کا حامل کبھی فقیر نہیں ہوتا' ایسا سہارا ہے جس کی پناہ میں آنے والا کبھی بے آسرا نہیں ہوتا۔ اس کو چھوڑنے والا ہمیشہ محتاج رہے گا۔ یہ وہ نورِ الٰہی ہے جس کی ضیاپاشیاں کبھی مدھم نہ ہوں گی۔

جس طرح ائمہ اہلِ بیتؑ قرآن سے شناسائی اور اس کی معرفت کے حصول کا ذریعہ ہیں اسی طرح قرآن بھی اہلِ بیتؑ کا تعارف کراتا ہے۔ بالفاظ دیگر ائمہ معصومینؑ قرآن کے مُعَرِّف ہیں اور قرآن ائمہ کا مُعَرِّف۔ قرآن جس کی تائید کرے وہی حق ہے۔ رسولِ مقبولؐ فرماتے ہیں : "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔" نیز حدیثِ ثقلین میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ یہ دونوں (قرآن و اہلِ بیتؑ) کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ ان روایات سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ علیؑ کے بعد یہ قرآن حسنؑ کے ہمراہ ہوگا' ان کے بعد حسینؑ کے اور اسی طرح یہ سلسلہ امامِ زمانؑ تک جاری رہے گا۔ جب آنحضرت (عج) ظہور فرمائیں گے تو آپ کا چہرۂ اقدس آیاتِ قرآنی سے دمک رہا ہوگا' زبانِ اطہر پر آیاتِ الٰہی جاری ہوں گی' انداز و اطوار' رفتار و کردار قرآن کی تفسیر کر رہے ہوں گے۔

امامِ زمان (عج) جس قرآن کے ساتھ ظہور فرمائیں گے وہ یہی قرآن ہے جو آج بھی ہمارے گھروں میں موجود ہے' وہ کوئی غائب قرآن نہیں بلکہ یہی قرآن ہے جس کی تمام مسلمان اپنے سامنے رکھ کر تلاوت کرتے ہیں۔

وہ قرآن جو ہر قسم کی تغیر و تحریف سے محفوظ ہے ہمارے درمیان موجود ہے' وہ آج بھی ہماری امامت و قیادت کے لئے حاضر ہے لیکن ہم نے اس کی پیروی ترک کر دی ہے' ہم اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ہم محض ثواب کی غرض سے اس کی تلاوت کرتے ہیں' مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لئے اسے کھولتے ہیں' زرق برق کپڑے کے غلاف میں ڈھانپ کر انتہائی احترام سے لڑکیوں کے جہیز میں دیتے ہیں' دفتر یا دکان میں برکت کی غرض سے بلند مقام پر رکھتے ہیں۔

ہم نے قرآن کو عملی زندگی سے دور کردیا ہے۔ ہمارا اخلاق' اقتصاد' سیاست' رہن سہن اور سماجی روابط قرآنی تعلیمات سے متصادم ہیں۔

اگر آج ہم قرآن سے وابستہ ہوجائیں' آج بھی اسے اپنا امام و قائد مان لیں' آج ہی سے اس کی تعلیمات کے سائے میں زندگی بسر کرنے کا عزم کرلیں تو بہت جلد یہ امامِ زمان تک ہماری رہنمائی کرے گا' صرف رہنمائی ہی نہیں بلکہ ان کے حضور ہماری سفارش کرے گا کیونکہ یہ شافع بھی ہے۔

حق بین نگاہیں

امامِ حق کی شناخت کے لئے حق بین نگاہیں درکار ہیں۔ اس کے لئے سب سے پہلے حق سے شناسائی' اس کی سوجھ بوجھ رکھنا ضروری ہے یعنی حق کس چیز کو کہتے ہیں؟ کن خصوصیات کی حامل شے حق کہلائے گی؟

لغت میں حق اس شے کو کہتے ہیں جو ثابت و غیر متغیر ہو۔ زوال پذیر نہ ہو اور اصطلاحاً" حق اس خبر کو کہتے ہیں جو واقعیت پر مبنی ہو۔ بنابرایں ہر وہ چیز جو خلافِ واقع ہو وہ باطل اور جھوٹ ہے۔

کمالِ حق صرف اور صرف ذاتِ پروردگار ہے اور اس کے علاوہ ہر شے باطل اور فانی ہے۔ اس کے بعد وہ چیزیں حق کہلاتی ہیں جو اس ذاتِ احدیت سے صادر ہوں خواہ وہ مادّی وجود ہوں خواہ ان کا تعلق قوانین و احکامِ شریعت سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ادیان و مکاتیب جن کی تصدیق اللہ سبحانہ کی طرف سے نہ ہو باطل ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ کے دوران متعدد ایسے ادیان و مذاہب دیکھتے ہیں جن کے

بانی انہیں غلط طور پر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں' ان کا ادعا ہوتا ہے کہ یہ دین خدا کا نازل کردہ ہے' اس آئین کے ابلاغ و رواج کی خدا نے تاکید کی ہے۔ ان کے مقابل انبیاء برحق ہیں جو خداوندِ عالم کے نازل کردہ حقیقی دین کا پرچار کرتے ہیں۔ یہاں سوال یہ آتا ہے کہ وہ کونسی کسوٹی اور پیمانہ ہے جس کو استعمال کرکے شریعتِ حق اور شریعتِ باطل' رسولِ حق اور رسولِ باطل کا تعین کیا جائے۔ عقل و منطق اور دین و شریعت کی رو سے یہ کسوٹی بھی حق ہے۔ اگر حق کو پہچان لیا جائے۔ اس پر یقین پیدا ہو جائے تو اس کے ذریعہ باطل کا چہرہ بھی عیاں ہو جائے گا اور پھر حق بجانب کی شناخت اور پیروی مشکل نہ رہے گی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حارث بن حوط نامی ایک شخص امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ کیا آپؑ کے خیال میں' میں گمان بھی کر سکتا ہوں کہ اصحابِ جمل گمراہ ہیں؟

(یاد رہے کہ معرکہ جمل میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے مقابل زوجہ رسولؐ حضرت عائشہ' صحابی رسولؐ طلحہ بن عبیداللہ اور ایک صحابیٔ رسولؐ زبیر بن عوام تھے۔ اس طرح دونوں ہی فریق پیغمبرؐ کے نزدیکیوں میں سے تھے لہٰذا عامتہ المسلمین کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا تھا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون اڑا ہوا ہے۔)

حضرت علیؑ نے فرمایا : "اے حارث! تم نے نیچے کی طرف دیکھا' اوپر کی طرف نگاہ نہیں ڈالی جس کے نتیجہ میں تم حیران و سرگرداں ہوئے ہو۔ تم حق ہی کو نہیں جانتے کہ حق والوں کو پہچانو اور باطل سے بھی واقف نہیں کہ باطل کی راہ پر چلنے والوں کا تعین کر سکو۔

حارث نے کہا : میں سعد ابنِ مالک اور عبداللہ ابنِ عمر کی مانند گوشہ نشینی اختیار کرلوں گا۔

آپؑ نے فرمایا : سعد اور عبداللہ ابنِ عمر نے نہ ہی حق کی مدد کی اور نہ باطل کی نصرت سے ہاتھ اٹھایا۔" (نہج البلاغہ کلماتِ قصار نمبر ۳۶۲)

جناب امیرؑ کے مذکورہ کلمات بھی صاف الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ حق اور باطل کی شناخت شخصیات کے ذریعہ نہیں بلکہ خود حق اور باطل کو پہچان کر ہو سکتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حق کیا ہے، کس چیز کا نام ہے؟ قرآنِ کریم جس کی حقانیت خداوندِ عالم سے اس کی نسبت و صدور کی بنا پر اظہر من الشمس ہے اپنی آیات میں مندرجہ ذیل چیزوں کی حقانیت کو بیان کرتا ہے۔

مصادیقِ حق

(۱) خداوندِ متعال حق ہے

وہی ہے جو تنہا ثابت و دائم ہے باقی سب چیزیں متغیر اور فانی ہیں۔ جب تک اس کا اذن نہ ہو کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی، ہر چیز اسی کے اتصال سے باقی رہ سکتی ہے۔ یعنی ہر چیز کا وجود اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ علمِ مطلق، قدرتِ مطلق صرف وہی ہے۔ بندگی صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اور ہستی لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت نہیں دے سکتی جو بھی ایسا کرے گا وہ باطل اور سرکش ہے۔ انبیاء کی بعثت اور رہنما کا تعین صرف اسی کا حق ہے۔ جو بھی اس کی طرف دعوت دے وہ حق ہے اس کے برخلاف جو بھی خدا کو چھوڑ کر اپنی

طرف یا کسی اور کی طرف بلائے وہ باطل ہے۔

(۲) انبیاء الٰہی برحق ہیں

تمام انبیاء ایک ہی دعوت لے کر مبعوث ہوئے۔ ان کی ایک ہی منطق تھی لہٰذا جو بات بھی سیرتِ انبیاءؑ کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔

(۳) قرآنِ کریم حق ہے

قرآنِ کریم نے اپنے زمانہ نزول ہی سے رہتی دنیا تک کے تمام جن و انس کو چیلنج کیا ہے۔ ہر وہ دعوت جو قرآنی تعلیمات سے متصادم ہو حتیٰ انبیاءؑ و ائمہؑ سے منسوب کی جانے والی ایسی روایات تک جو قرآن سے سازگار نہ ہوں وہ باطل ہیں۔

"------میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں حق بہت پوشیدہ اور باطل بہت نمایاں ہوگا۔ اور اللہ و رسولؐ پر افترا پردازی کا زور ہوگا۔ اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے گا جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہ ہوگی، اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے اور نہ (ان کے) شہروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی ہوگی۔ چنانچہ قرآن کا بار اٹھانے والے اسے پھینک کر الگ کریں گے اور حفظ کرنے والے اس کی

(تعلیم) بھلا بیٹھیں گے۔" (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۴۵)

(۴) معصومینؑ کی سنّتِ متواترہ حق ہے

معصومینؑ کی وہ سنّت جو تواتر کے ساتھ ثابت ہے وہ حق ہے۔ اسکے خلاف کوئی بھی قول و فعل خواہ وہ کتنی ہی محترم ہستی کا کیوں نہ ہو باطل ہے۔

(۵) عقلِ سلیم حق ہے

ایسا عقلی استدلال جس کے مسترد ہونے سے تناقص و تضاد لازم آتا ہو وہ حق ہے۔

مركز الثقافة الاسلامية
١٤٠٣هـ
پاکستان

مركز الثقافة الاسلامية
١٤٠٣ھ
كراچي پاكستان

ہماری مطبوعات

درس قرآن
مکتب تشیع اور قرآن
اسرار نہج البلاغہ
نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
مذہب اہل بیتؑ
شیعیت کا آغاز کب اور کیسے
فلسفۂ امامت
اہل بیتؑ آیۂ تطہیر کی روشنی میں
ائمہ سیریز (مختصر سیرت معصومینؑ)
سوانح حیات حضرت فاطمۃ الزہراؑ
اہل بیتؑ کی زندگی مقاصد کی ہم آہنگی زمانہ کی نیرنگی
فدک تاریخ کی روشنی میں
آمریت کے خلاف ائمہ طاہرینؑ کی جدوجہد
صدائے حضرت سجادؑ
سوانح حیات حضرت امام حسینؑ
تفسیر سیاسی قیام امام حسینؑ
اثبات وجود خدا
۲۰ جواب
آسان عقائد (دو جلدیں)
تعلیم دین سادہ زبان میں (دو جلدیں)
حسینؑ شناسی
انقلاب حسینؑ پر محققانہ نظر
فکر حسینؑ کی الف ب

تفسیر عاشورا
عزاداری کیوں؟
عاشورا اور خواتین
پیام شہیداں
ہمارا پیام
آزمائش
درس انقلاب
اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں
شناخت استکبار
عوامی حکومت یا ولایت فقیہ
کتاب المومن
خاندان کا اخلاق
ازدواج در اسلام
اسلام میں خواتین کے حقوق
آسان مسائل
عورت پردہ کی آغوش میں
اسلامی اتحاد مسلک اہل بیتؑ کی روشنی میں
مادیت و کمیونزم
خاک پر سجدہ مقصد، اہمیت، حقیقت
مسجد، مقصد، تقاضہ، ذمہ داریاں
عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
دعائے افتتاح ۔ دعائے ندبہ
زیارت جامعہ